نصرة

قرآن کریم میں تمکین (اقتدار اور استحکام) کا تصور

اسلامی عقیدہ نجات کی بنیاد ہے اور زندگی کے لیے رہنما ہے

کیا نتائج کا حاصل کرنا ہمارے ہاتھ میں ہے؟

یورپ کی خود مختاری کے امکانات اور اس میں حائل ہونے والی مشکلات

ٹرمپ، غزہ اور پورے فلسطین میں یہودی وجود کے ننگے جرائم کا بنیادی حامی ہے

ربیع الأول—ربیع الثاني 1447ھ

| ستمبر-اکتوبر 2025ء

شمارہ-86

فہرست

ٹرمپ، غزہ اور پورے فلسطین میں یہودی وجود کے ننگے جرائم کا بنیادی حامی ہے 3

تفسیر سورۃ البقرۃ (283) 7

سعودی شہزادہ ترکی الفیصل ایک یہودی میڈیا مہم کیوں چلا رہا ہے؟ 13

زنگیزور راہداری: جیوپولیٹکس بمقابلہ جیواکنامکس 17

افغانستان—پاکستانی سیاست کی چکی اور علاقائی ایجنڈے کے سندان کے بیچ 20

قرآن کریم میں تمکین (اقتدار اور استحکام) کا تصور 23

اسلامی عقیدہ نجات کی بنیاد ہے اور زندگی کے لیے رہنما ہے 32

کیا نتائج کا حاصل کرنا ہمارے ہاتھ میں ہے؟ 36

یورپ کی خودمختاری کے امکانات اور اس میں حائل ہونے والی مشکلات 45

مصنوعی ذہانت کے دور میں "ہدایت یافتہ مفتی" 49

بابرکت سرزمین کے معاملے کو کمزور کرنے والی کانفرنسیں 53

سوال وجواب: السویداء کے واقعات 56

سوال کا جواب: امریکی حکمتِ عملی اور دوریاستی حل 64

یہود اپنی قبریں اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں 72

ٹرمپ، جو غزہ اور پورے فلسطین میں یہودی وجود کے ننگے جرائم کا بنیادی حامی ہے، مسلم ممالک کے حکمرانوں کے ایک گروہ کے سامنے غزہ کے کھنڈرات سے متعلق حل صرف پیش نہیں کر رہا بلکہ اسے تھوپ رہا ہے!!

(ترجمہ)

ٹرمپ نے اپنے پلیٹ فارم ٹرتھ سوشل (Truth social) پر ایک پوسٹ میں کہا: "ہم نے مشرق وسطیٰ کے ممالک کے ساتھ غزہ کے حوالے سے انتہائی تعمیری اور متاثر کن بات چیت کی ہے"، اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ یہ بات چیت گہری تھی اور چار دن تک جاری رہی۔ اس نے کہا کہ یہ بات چیت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ "مکمل معاہدے کی کامیابی کے لیے ضروری ہو"۔ (ٹی آر ٹی عربی، 27/09/2025ء)۔

ٹرمپ نے مسلم ممالک کی ایک میٹنگ کی صدارت کی جس میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، مصر، اردن، ترکی، انڈونیشیا اور پاکستان شامل تھے۔ یہ میٹنگ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر منگل 23/9/2025ء کو ہوئی، جسے ٹرمپ نے "سب سے اہم اجلاس" قرار دیا۔ اس نے ان کے سامنے "21 نکاتی منصوبہ" پیش کیا، بلکہ تھوپا، جس کی نمایاں باتوں میں یہ شامل ہیں: "حماس کی جانب سے تمام یہودی قیدیوں کی رہائی، مستقل جنگ بندی، اور یہودی فوج کا بتدریج انخلا"۔ (العربیہ نت، 25/9/2025ء)۔

ٹرمپ نے انہیں جمع کرنے کے اپنے مقصد میں صاف گوئی برتی کہ وہ یہودی قیدیوں کو آزاد کروانا چاہتا ہے، اس نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "کہ اس کی انتظامیہ غزہ سے 20 یرغمالی اور 38 لاشیں واپس لانا چاہتی ہے"۔ پھر اس نے انخلاء کے عمل کے بتدریج ہونے کی شرط عائد کی، یہ ایک ایسا لفظ ہے جس میں دھوکا ہے تاکہ انخلاء کا معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور پھر یہودی وجود مستقل جنگ بندی کو کنٹرول کرتا رہے! اس سب کے باوجود، وہ نااہل (رُوَیبِضہ) حکمران جو جمع ہوئے تھے، ٹرمپ اور اس کے منصوبے پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے! قطر کے امیر نے کہ جس پر یہودی وجود نے حملہ کیا تھا- اور ظاہر ہے کہ یہودی، ٹرمپ کی اجازت کے بغیر یہ حرکت نہیں کر سکتے- اس حملے کے باوجود اعلان کیا: "ہم غزہ میں جنگ کو ختم کرنے کے لیے ٹرمپ کی قیادت پر انحصار کرتے ہیں"۔۔۔ (الجزیرہ 23/9/2025)! اسی طرح ترکی کے صدر رجب طیب ایردوان، جو اس میٹنگ میں شریک تھا، نے اعلان کیا کہ اجلاس "انتہائی نتیجہ خیز تھا"۔۔۔ (بی بی سی نیوز عربی، 23/9/2025ء)۔ اور دیگر حکمرانوں کے بیانات بھی ان بیانات سے ملتے جلتے ہیں۔ ﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾ **"اللہ انہیں تباہی کرے، یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں"** (سورۃ التوبہ: آیت 30)۔

اے مسلمانو!۔۔۔ اے مسلم ممالک کی افواج!

کیا یہ غداری کی انتہاء اور ذلت کی اتھاہ گہرائی نہیں کہ ٹرمپ پر بھروسہ کیا جائے کہ وہ غزہ میں جنگ بندی کر کے اسے بچالے، حالانکہ وہ غزہ پر یہودیوں کے وحشیانہ حملے کا بنیادی حامی ہے؟!! ﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ **"اور تم ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنہوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں بھی آگ چھو لے گی اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی"** (سورۃ ہود: آیت 113)۔ *

کیا غزہ کی مدد کا واحد راستہ صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی افواج اس مبارک زمین پر قابض یہودیوں سے جہاد کے لیے حرکت کریں، جو خود فتح حاصل کرنے پر قادر نہیں اور نہ ہی کوئی راستہ پا سکتے ہیں؟ ﴿وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ﴾ **"اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر انہیں کوئی مدد نہیں دے گا"** (سورۃ آل عمران: آیت 111)۔

کیا ایسا نہیں کہ وہ حکمران کہ جنہیں ٹرمپ نے اپنی مجلس میں جمع کیا، کی افواج میں سے چند ہی ہیں کہ جن میں یہودی وجود کو کچلنے اور فلسطین کو مکمل طور پر دار الاسلام میں واپس لانے کی لیاقت نہیں ہے؟ ﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ﴾ "تم ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر فتح دے گا اور مسلمان قوم کے سینوں کو ٹھنڈک بخشے گا" (سورۃ التوبہ: آیت 14)۔

اے مسلمانو!

بیشک اس امت کی مصیبت اس کے حکمران ہیں۔ تقریباً سو سال پہلے جب خلافت ختم ہوئی تو مسلمانوں کا کوئی ایسا خلیفہ نہ رہا جس کی آڑ لی جاتی اور جس کے پیچھے جنگ لڑی جاتی، جیسا کہ حدیث میں ہے: **«وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ» "بے شک امام (خلیفہ) ڈھال ہے، اس کے قیادت میں جنگ لڑی جاتی ہے اور اسی کے ذریعے (خطرات سے) بچا جاتا ہے"** (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)۔۔۔ پس مسلمانوں کی حرمتیں پامال ہوئیں، ان کے ممالک پر قبضے ہوئے، ان پر نااہل (رُوَیبِضہ) لوگوں نے حکومت کی جنہوں نے نہ تو دشمن کو روکا اور نہ ہی اسلام کے قلعے کی حفاظت کی، یہاں تک کہ ہم اس مقام پر پہنچ گئے کہ اس مبارک زمین پر اُن لوگوں نے قبضہ کر لیا جن پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی ہے اور جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے!

اے مسلم ممالک کی افواج!

کیا تم میں کوئی سمجھدار مرد نہیں، کہ یہودی وجود کے جرائم کو دیکھ کر اس کی رگوں میں خون کھول اٹھے۔ وہ غزہ میں خون بہا رہے ہیں، اور بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو نشانہ بناتے ہوئے وحشیانہ قتلِ عام کر رہے ہیں؟! کیا تم میں کوئی سمجھدار مرد نہیں جس کی رَگوں میں خون کھول اٹھے جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کر رہے ہیں اور یہودی بمبار طیارے انہیں ان کے گھروں میں اور سفر کے دوران بھی نشانہ بنا رہے ہیں؟!

کیا تم میں کوئی سمجھدار مرد نہیں جو اس بات کا ادراک کر سکے کہ ان حکمرانوں کی اطاعت کرتے ہوئے یہودیوں کے حملے کے آگے جھکنے اور اس کا جواب نہ دینے کا نتیجہ دنیا کی زندگی میں رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب ہے؟ یہاں تک کہ لوگ جن قائدین کی خاطر، اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے، ان کی اطاعت کرتے ہیں، وہ قائدین ہی قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے، تو اس وقت انسان کو اللہ کی نافرمانی میں ان قائدین کی پیروی کرنے پر پچھتاوا ہو گا، لیکن اس وقت پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا: ﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ * وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ **"جب جن کی پیروی کی گئی تھی وہ ان سے برأت کا اظہار کریں گے جنہوں نے پیروی کی تھی اور (سب) عذاب دیکھ لیں گے اور ان کے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور جنہوں نے پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ کاش! ہمارے لیے (دنیا میں) لوٹ کر جانا ہو تو ہم بھی ان سے اسی طرح برأت کر لیں جس طرح اِنہوں نے آج ہم سے برأت کی، اس طرح اللہ ان کے اعمال ان کے سامنے حسرت و ندامت بنا کر پیش کرے گا اور وہ آگ سے باہر نہیں نکل سکیں گے"** (سورۃ البقرۃ: آیت 166-167)*

اور کیا تم میں کوئی سمجھدار مرد نہیں جو دونوں نیکیوں (شہادت یا فتح) میں سے کسی ایک کی تمنا رکھتا ہو، اور اسلام کے سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے غزہ ہاشم، قبلہ اول اور تیسرے حرم والی مسجد (الأقصیٰ) کو آزاد کرائے، جہاں فتح کی تکبیریں اسی طرح گونجیں جیسے فاروقِ اعظم کے دور میں فتح کے موقع پر تکبیریں گونجی تھیں، اور جیسے بیت المقدس کی آزادی کے موقع پر صلاح الدین ایوبی کے دور میں گونجی تھیں، اور جیسے یہودیوں کے شر سے اس مبارک زمین کی حفاظت کے موقع پر عبد الحمید کے دور میں گونجی تھیں۔۔۔ اور پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو سچ کر دکھائے: «لَتُقَاتِلُنَّ الْيَهُودَ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ...» **"تم یہودیوں سے ضرور لڑو گے اور تم ضرور انہیں قتل کرو گے۔۔۔"** (مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)۔

اے مسلمانو!

ہم اللہ کی نصرت پر، اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کی واپسی پر، اور جہاد کرنے والی خلافت راشدہ کے لَوٹ آنے پر، یہودیوں سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے پر، اور روم کو فتح کرنے پر جیسا کہ قسطنطنیہ فتح ہوا اور دار الاسلام "استنبول" بنا؛ کامل یقین رکھتے ہیں۔۔۔ کیونکہ یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت میں سے ہے، اور یہ اللہ کے حکم سے ہو کر رہے گا۔۔۔ لیکن اللہ عزوجل کی سنت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے آسمان سے فرشتے نہیں اتارے گا جو ہمارے لیے خلافت قائم کریں، اور اللہ قوی عزیز کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت کو ہمارے لیے پورا کریں، جبکہ ہم بے کار بیٹھے ہوں، بلکہ وہ ہماری مدد کے لیے اس وقت فرشتے اتارے گا جب ہم خود محنت، کوشش، سچائی اور اخلاص کے ساتھ کام کریں گے۔۔۔ تب اللہ ہمیں نصرت عطا فرمائے گا، اور دونوں جہانوں میں کامیابی بھی، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔ ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ

وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن اہل ایمان خوش ہوں گے اللہ کی نصرت سے، وہ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے، اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے" (سورۃ الروم: آیت 4-5)۔

اے مسلمانو!۔۔۔اے مسلم ممالک کی افواج!

بیشک حزب التحریر، جو ایک ایسی رہنما جماعت ہے جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتی، آپ کو اللہ تعالی کے اس فرمان کے ساتھ مخاطب کرتی ہے اور پکارتی ہے: **﴿هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ "یہ لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے سے ڈرایا جائے اور وہ جان لیں کہ برحق معبود صرف ایک ہی ہے اور تاکہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں"** (سورۃ ابراہیم: آیت 52)۔

بتاریخ 5 ربیع الثانی 1447 ہجری

حزب التحرير

2025/9/27ء

#امیر_حزب_التحریر

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ (283)

جلیل القدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾

"اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا مل نہ سکے تو (کوئی چیز) رہن یا گروی رکھ لو قبضہ میں دی ہوئی، اور اگر تم کو ایک دوسرے پر اطمینان ہو (یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے) تو امانتدار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیے۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ اور جو اسے چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"۔

(البقرۃ: 2:283)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ واضح فرما رہے ہیں کہ اگر قرض کا لین دین کرنے والے لوگ حالتِ سفر میں ہوں اور سفر کے دوران کوئی ایسا شخص نہ پائیں جو ان کے قرض کو لکھ سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا متبادل یہ رکھا کہ قرض دینے والا قرض لینے والے سے کسی چیز کو بطور رہن (گروی) اپنے قبضے میں لے، تاکہ قرض کی ضمانت حاصل ہو سکے۔

اگر وہ (قرض کا لین دین کرنے والے) ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہوں تو پھر کسی (قرض کو) لکھنے والے، گواہ یا رہن (گروی) کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں قرض لینے والے پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کے بارے میں، جس نے اس پر بھروسہ کیا ہے، اللہ سے ڈرے، اور دیانت داری سے اس کا حق واپس کرے۔ اسے چاہیے کہ قرض دینے والے کو بار بار تقاضا کرنے پر مجبور نہ کرے، بلکہ اس کے احسان کو یاد رکھے اور خوش دلی و احسان مندی کے ساتھ اس کا حق واپس کرے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں گواہی نہ چھپانے کی تاکید فرماتے ہیں، کیونکہ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ یہ واضح فرما دیتے ہیں کہ وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے، اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو بھی اللہ سے کچھ چھپ نہیں سکتا، کیونکہ وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرے کے برابر شے بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾** **"اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"**۔ وہ تمہیں تمہارے ہر عمل کا بدلہ دے گا؛ اگر تم نیکی کرو گے تو نیکی کا اجر دے گا، اور اگر برائی کرو گے تو برائی کا بدلہ ملے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **﴿وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾** **"اور اگر تم (دونوں) سفر میں ہو"** یعنی اگر تم مسافر ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَرِهَٰنٞ﴾ "رہن (گروی رکھی ہوئی چیزیں)" لفظ (رِھَان) "رہن" دراصل رُہُن (گروی) کی جمع ہے، اور یہ لفظ اصل میں مصدر (اسم مصدر) ہے، پھر اسے اسم مفعول (مفعولی معنی میں) پر محمول کرتے ہوئے گروی رکھی جانے والی چیزوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَّقۡبُوضَةٞ﴾ "قبضے میں دی گئی" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رہن (گروی چیز) کو قرض دینے والے کے قبضے میں دے دیا جائے تاکہ وہ اسے بطور ضمانت رکھ سکے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمۡ تَجِدُواْ كَاتِبٗا فَرِهَٰنٞ مَّقۡبُوضَةٞ﴾ **"اور اگر تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن (گروی) رکھ لو"۔** اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے دوران جب کوئی کاتب میسر نہ ہو تو قرض کے اندراج کے بدلے میں گروی رکھنا متبادل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے ایسی صورتحال میں شرعی حکم، رہن (گروی رکھنا) مندوب ہے، بالکل اسی طرح جیسے قرض لکھوانے کا حکم ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے: اگر سفر کے دوران قرض کو لکھنا مندوب ہے اور رہن رکھنا بھی مندوب ہے، تو کیا ایسی صورت میں جب سفر کے دوران کوئی کاتب (لکھنے والا) موجود ہو، تو کیا رہن رکھنا جائز ہے؟ یعنی کیا کاتب کے موجود ہونے کے باوجود سفر میں رہن رکھنا درست ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں رہن (گروی رکھنے) کا حکم اباحت (یعنی صرف جائز ہونا) ہے، نہ کہ مندوب ہونا۔

اس کی دلیل یہ ہے:

(الف) مقیم حالت (حضر) میں: اگر ادھار پر خرید و فروخت کا لین دین کرنے والے دونوں فریق اس قرض کو لکھوانا نہ چاہیں جیسا کہ آیتِ مبارکہ میں قرض کا لین دین کرنے والوں کے لئے طریقہ بیان کیا گیا ہے، تو ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ آپس میں جو بھی شرط رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ شرط شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ادھار پر مال بیچتا ہے، تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ خریدار سے کسی ضمانت کے ذریعے اپنا حق محفوظ کرے، تاکہ اسے ادائیگی کے بارے میں اطمینان ہو۔ اس کے لیے وہ خریدار سے کوئی شے رہن رکھ سکتا ہے یا ضامن طلب کر سکتا ہے... اور یہ سب کچھ جائز ہے۔ کیونکہ شریعت میں عقود میں رکھی جانے والی تمام شرائط مباح ہیں، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال چیز کو حرام یا کسی حرام چیز کو حلال قرار دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ، إِلاَّ شَرْطًا حَرَّمَ حَلاَلاً أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا» "مسلمان اپنی شرطوں پر پابند ہیں، سوائے اُس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے"۔** (سنن ترمذی)

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ یہ اصول ان شرائط پر لاگو ہوتا ہے جو مسلمان آپس میں اپنے معاملات اور (لین دین کے) معاہدوں میں رکھتے ہیں۔ یعنی مسلمان اپنے عقود میں جو چاہیں شرائط رکھ سکتے ہیں، سوائے ایسی شرط کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دے دے۔

(ب) حالتِ سفر میں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا۟ كَاتِبًا فَرِهَـٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ **"اور اگر تم سفر پر ہو اور (قرض کو) کوئی لکھنے والا مل نہ سکے تو (کوئی شے) رہن یا قبضہ میں (گروی) رکھ لو"**۔ (سورۃ البقرہ:283)

سفر میں لکھنے والے کا نہ ملنا ایک عام بات ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ حالتِ سفر میں پڑھے لکھے لوگوں کی کمی کے باعث انہیں کوئی کاتب نہ مل سکے۔ اسی بنیاد پر "مفهوم المخالفة للقيد (الوصف)" یعنی "صفت کے مقید ہونے کا مفہومِ مخالفہ" لاگو ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمْ تَجِدُوا۟ كَاتِبًا﴾ **"اور اگر تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے..."**، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رہن رکھنا جائز ہے، خواہ (قرض) لکھا جائے یا نہ لکھا جائے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شرعی حکم کی صورت مختلف ہو جاتی ہے: اگر سفر میں کاتب دستیاب نہ ہو، تو رہن رکھنا (قرض کو) لکھنے کی جگہ لے لیتا ہے، اور ایسی صورت میں رہن رکھ لینا مندوب ہے۔ اور اگر حالتِ سفر میں کاتب دستیاب ہو، تو رہن رکھ لینا مباح ہے۔

یہ تمام حکم اُن دیگر معاملات کے بارے میں ہے جو ادھار پر لین دین میں رِبا (سود) کے علاوہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسی صورت میں رہن رکھنے کا حکم، خواہ مقیم حالت ہو یا حالتِ سفر ہو، تو یہ ایک شرعی حکم ہے۔ یعنی، خرید و فروخت میں ادھار پر اشیاء کو بیچنے کے معاملے میں رہن رکھ لینا واجب ہے، جیسے گیہوں، جو، کھجور یا نمک وغیرہ کو ادھار پر لینا۔ اس کی دلیل یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے سودی اشیاء کی بیع کو منع فرمایا، سوائے یہ کہ بیع ہاتھوں ہاتھ (یعنی نقد) کی صورت میں ہو۔ مسلم نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»** "سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گیہوں کے بدلے گیہوں، جو کے بدلے جَو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک، برابر کے برابر، مساوی مقدار میں، ہاتھوں ہاتھ۔ اور اگر یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو، بشرطیکہ وہ ہاتھوں ہاتھ (یعنی نقد) ہو" (صحیح مسلم)۔ یعنی ادھار پر نہ ہو۔

یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی چیز ادھار پر خریدی جو سودی اشیاء کے زمرے میں سے ہے، یعنی جَو، لیکن آپ ﷺ نے فروخت کرنے والے کے پاس بطور رہن اپنی زرہ رکھ دی۔ صحیح بخاری میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے: « أن النبي ﷺ اشترى من يهودي طعاماً إلى أجل ورهنه درعاً من حديد » "رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کھانے کا سامان ادھار خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھی" (بخاری)۔ سنن النسائی میں ایک اور روایت میں ابن عباسؓ سے مروی حدیث میں ہے: **«تُوُفِّيَ رسول الله ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعاً من شعير لأهله» "رسول اللہ ﷺ کا وصال اس حالت میں ہوا کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے عوض رہن تھی، جو آپ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کے لئے (ادھار) لیا تھا"**۔ (النسائی: 4572، بخاری: 2759، 4197، احمد: 1/236، 361، ابن حبان: 13/262)

ان دونوں احادیث میں تطبیق یوں دی جاتی ہے کہ پہلی حدیث میں ادھار پر اجناس کی فروخت کی ممانعت آئی ہے، اور دوسری حدیث میں ادھار کے ساتھ رہن رکھنے کی اجازت وارد ہوئی ہے، اور چونکہ کوئی دلیل موجود نہیں کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا، لہٰذا ان دونوں احادیث کو جمع کرنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اجناس کو ادھار فروخت کے وقت رہن لینا واجب ہے تاکہ معاملہ شرعاً درست ہو۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿**فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا**﴾ **"اور اگر تم کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو"** کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ قرض دینے والے کو اپنے قرض لینے والے پر، سفر کے دوران یا مقیم حالت (حضر) میں بھروسہ ہو، یعنی وہ قرض دار کی امانت، دیانت اور ادائیگی میں تاخیر نہ کرنے پر بھروسہ رکھتے ہوں یعنی قرض دینے والے کو قرضدار پر اعتماد ہو، تو ایسی صورت میں قرض کو لکھنے، گواہوں یا رہن کے ذریعے محفوظ نہ کرنا بھی ممکن ہے۔ یہ صورت جائز ہے، جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے یعنی اگر قرض دینے والے چاہے تو اسے تحریر میں لا سکتا ہے، اور اگر نہ چاہے تو نہ لائے۔

اور اس ارشاد ﴿**فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا**﴾ "اور اگر تم کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو" کا تعلق صرف سفر یا رہن (گروی رکھنے) کی حالت سے خاص نہیں ہے۔ اسے اس آیت میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ آیت کا آغاز سفر کے بیان سے ہوا تھا، اور اس کا مفہوم، اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿**فَرِهَـٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ**﴾ **"تو پھر رہن (گروی) رکھ لو"** کے ذکر سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ بعد کا بیان دراصل پہلے بیان کردہ قرض کے احکام یعنی تحریر، گواہ اور رہن کی تکمیل کے طور پر آیا ہے، خواہ وہ مقیم حالت (حضر) میں ہوں یا سفر کے دوران۔

یہ اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَلَا تَكْتُمُوا۟ ٱلشَّهَـٰدَةَ**﴾ **"اور گواہی کو مت چھپاؤ"**۔ اس آیت میں گواہی کا ذکر سفر میں رہن (گروی رکھنے) کے ضمن میں نہیں آیا، بلکہ یہ اس گواہی کی طرف اشارہ ہے جو گزشتہ آیت میں مقیم حالت میں قرض لکھنے کے وقت ذکر کی گئی تھی۔ لیکن چونکہ اس آیت کا آغاز اس جملے سے ہوا ﴿**وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ**﴾ **"اور اگر تم**

حالتِ سفر میں ہو"۔ اس لیے قرینہ یہ بتاتا ہے کہ ﴿فَرِهَٰنٞ مَّقۡبُوضَةٞۖ﴾ **"تو پھر رہن (گروی) رکھ لو"** کے بعد آنے والا حصہ قرض سے متعلق گزشتہ احکام پر ہی دلالت کرتا ہے، خواہ وہ سفر میں ہوں یا اقامت کی حالت میں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قرض دینے والے کو قرض لینے والے کی امانت داری پر اطمینان ہو، اور وہ اس پر اعتماد کرے کہ وہ ادا کرنے میں تاخیر نہیں کرے گا، تو ایسے میں قرض کے دستاویزی ذرائع (جیسے تحریر، گواہ یا رہن) کو ترک کرنا جائز ہے، خواہ حالتِ سفر ہو یا مقیم حالت ہو۔ یعنی جس حالت میں ہم نے پہلے وضاحت کی تھی کہ دستاویزات تیار کرنا مندوب ہے، تو اس نئی حالت میں وہ مباح ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَإِنۡ أَمِنَ بَعۡضُكُم بَعۡضٗا﴾ "اور اگر تم کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو" سے ظاہر ہے۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿فَلۡيُؤَدِّ ٱلَّذِي ٱؤۡتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ﴾ **"تو امانتدار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے"** کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرضدار کو چاہیے کہ وہ قرض خواہ کا قرض ادا کرے۔ اس حالت میں قرض کو امانت کہا گیا ہے، کیونکہ اس پر تحریر یا گواہی لازم نہیں کی گئی، بلکہ وہ اعتماد اور دیانت کی بنیاد پر قائم ہے۔

یہاں جو طلبِ شرعی ہے، وہ فرضیت کے معنی میں ہے، یعنی قرض کی ادائیگی شرعاً واجب ہے۔ اس پر قرینہ لفظِ ﴿أَمَٰنَتَهُۥ﴾ **"اس کی امانت"** سے لاگو ہوتا ہے۔ امانت کو پورا کرنا شرعی فریضہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لا إيمانَ لمن لا أمانةَ له» "جس میں امانت داری نہیں، اس کا ایمان نہیں"** (احمد: 3/154، 210)۔ اور دیگر احادیث میں بھی امانت کا ذکر آیا ہے، جو کہ وصفِ معلوم ہے، اور امانت کو پورا کرنا شرعی طور پر واجب ہے۔ جب ایمان کو دین میں امانت سے جوڑا گیا، اور امانت کی ادائیگی کو طلب (یعنی حکم) کا موضوع بنایا گیا، تو یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ لفظِ ﴿فَلۡيُؤَدِّ﴾ **"پس اسے ادا کرنا چاہیے"** میں جو حکم دیا گیا ہے، وہ طلب جازم ہے (یعنی فرض حکم ہے)۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان، ﴿وَلۡيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ﴾ **"اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیے"**، کا تعلق ہے، تو یہ تنبیہ ہے، یعنی اسے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ حق سے انکار نہ کرے یا اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ﴿وَلَا تَكۡتُمُواْ ٱلشَّهَٰدَةَ﴾ **"اور گواہی کو مت چھپاؤ"** کا تعلق ہے تو یہ ایک عمومی خطاب ہے، جو گواہوں، قرض خواہ اور قرض دار تینوں کو مخاطب کرتا ہے۔ یعنی انہیں نہ گواہی کو چھپانا چاہیے، نہ اس میں تحریف کرنی چاہیے، اور نہ اسے اس کے درست مفہوم سے روکنا چاہیے۔ یہاں پر جو شرعی نہی (ممانعت) آئی ہے، وہ تحریم جازم (قطعی حرمت) پر دلالت کرتی ہے، یعنی یہ عمل حرام ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَمَن يَكۡتُمۡهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٞ قَلۡبُهُۥ﴾ **"اور جو اسے چھپاتا ہے، تو یقیناً اس کا دل گناہگار ہے"۔**

اور اللہ تعالیٰ نے ﴿قَلۡبُهُۥ﴾ **"اس کا دل"** کا ذکر ﴿ءَاثِمٞ﴾ **"گناہ گار"** کے بعد اس لیے کیا ہے تاکہ اس گناہ کی سنگینی کو واضح کیا جائے۔ کسی اعضاء کا ذکر اس کے عمل کے بعد لانا، دلیل اور تاکید کے اعتبار سے زیادہ مؤثر اور طاقتور ہوتا ہے۔ جیسے کہا جائے: (هذا ما

أبصرته عيني) "یہ وہ ہے جو میری آنکھوں نے دیکھا"، تو یہ (هذا ما أبصرته) "یہ وہ ہے جو میں نے دیکھا" سے زیادہ موثر اور فصیح ہے۔ اسی طرح، (هذا ما سمعته أذناي) "یہ وہ ہے جو میرے کانوں نے سنا"، یہ (هذا ما سمعته) "یہ وہ ہے جو میں نے سنا" سے زیادہ زور دار اور بامعنی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿**وَلَا تَكْتُمُوا۟ ٱلشَّهَـٰدَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٌ قَلْبُهُۥ**﴾ "**اور گواہی کو مت چھپاؤ، اور جو اسے چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے**"، تو یہ تعبیر اس سے کہیں زیادہ قوی ہے کہ صرف یوں کہا جائے: (ومن يكتمها فإنه آثم) "**اور جو اسے چھپاتا ہے، وہ گناہگار ہے**"۔ دل کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ گناہ دل کی گہرائیوں سے متعلق ہے، یعنی یہ محض ایک ظاہری جرم نہیں بلکہ باطنی خیانت ہے، جو ایمان کے مرکز (دل) کو متاثر کرتی ہے۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿**وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ**﴾ "**اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے**" کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو جانتا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اللہ کے علم سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ اللہ رب العزت، تمہارے اعمال سے واقف ہے اور انہی کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دیتا ہے، خواہ وہ نیک عمل ہوں یا برے۔

فہرست

سعودی شہزادہ ترکی الفیصل ایک یہودی میڈیا مہم کیوں چلا رہا ہے؟

محمد سلجوق–ولایہ پاکستان

خبر: سعودی انٹیلی جنس کے سابق سربراہ، ترکی الفیصل نے 1 اگست 2025 کو روسیا نیوز عربی چینل کو دیے گئے ایک انٹرویو کے دوران غزہ کی صورتحال کے بارے میں بیان دیا کہ "یہودی وجود کے خلاف ایک جامع عرب جنگ ایک ہاری ہوئی جنگ ہو گی، اور ہر کوئی یہودی وجود کی عسکری طاقت کو جانتا ہے"۔ اس نے مزید کہا: "عرب دنیا ہمیشہ امن کا انتخاب کرتی ہے، اور وہ جنگ کا انتخاب کر کے اپنے موقف کی تردید نہیں کر سکتی"۔

تبصرہ: ترکی الفیصل کے بیانات اسلامی ممالک کے حکمران طبقے کے اندرونی بحران کی عکاسی کرتے ہیں، ایک ایسا بحران جو انتہا درجے کی بزدلی، نفسیاتی شکست، اور امریکہ و مغرب کی مرضی کے سامنے جھکنے کی کیفیت سے لبریز ہے. ایسے وقت میں جب مسلم دنیا ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے، اور غزہ کو بچانے کے لیے مسلم افواج کو حرکت میں لانے کے عوامی مطالبات بڑھ رہے ہیں، حکمران اور ان کے میڈیا ترجمان اپنے اعمال و بیانات کے ذریعے کھلے عام اسلام کے دشمنوں کے ساتھ صف آرا ہو چکے ہیں، ترکی الفیصل، جو سعودی انٹیلیجنس کے سب سے طویل مدت تک خدمات انجام دینے والے سربراہ رہے ہیں، کے ان بیانات کو سن کر ذہن میں ایک مشہور قول ابھرتا ہے، "بزدل ہزار بار مرتا ہے!"۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حکمران اور ان کے میڈیا کے ترجمان یہودی وجود کی کمزور طاقت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کیونکہ اس کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ہمیشہ اس کی بقا کا ایک بنیادی ستون رہا ہے۔ یہ مہم غدار حکمرانوں کی طرف سے، مغرب میں اپنے آقاؤں کی مدد سے، طاقتور مسلم افواج اور رائے عامہ کو فلسطین کی مبارک سرزمین کی آزادی کے خیال کو اپنانے سے روکنے کے مقصد سے چلائی جا رہی ہے۔ یہودی وجود کے سرپرستوں نے، خواہ وہ بیرونی ہی کیوں نہ ہوں، ماضی میں بھی عربوں کے ساتھ جنگیں اس لیے کیں تاکہ یہود کی عسکری برتری کی ایک مصنوعی داستان گھڑی جا سکے، اور تاکہ عرب یہ تسلیم کر لیں کہ یہودی وجود کو شکست دینا ممکن نہیں، اور بالآخر اس کے وجود کو قبول کر لیں۔ یہ خائن حکمران چاہتے ہیں کہ امت کو بھی اپنی طرح مایوسی اور شکست خوردگی کے دلدل میں دھکیل دیں۔

لیکن جب ہم حقیقت کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں تو ترکی الفیصل کے پیش کردہ بیانیے سے بالکل متضاد نتیجہ سامنے آتا ہے۔ تو بھلا کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ممالک کی عظیم الشان، جدید اسلحے سے لیس افواج ایک ایسے وجود کے سامنے شکست کھا جائیں جو جغرافیائی، عسکری اور صنعتی طور پر ان کے سامنے محض ایک بونا وجود ہے؟! اعداد و شمار اس مؤقف کی تائید کرتے ہیں۔

	ملک / خطہ	کل فوجی اہلکار	کل طیارے	بحری اثاثے
1	پاکستان	1,704,000	1,399	121
2	ترکی	883,900	1,083	182
پاکستان+ترکی		**2,587,900**	**2,482**	**303**
مشرق وسطیٰ کے ممالک				
1	مصر	1,220,000	1,093	150
2	سعودی عرب	407,000	917	32
3	اردن	200,500	274	27
4	کویت	103,500	128	123
5	امارات	207,000	551	181
6	شام	270,000	207	27
7	بحرین	129,900	132	64
8	عُمان	152,600	128	22
9	یمن	86,700	84	33
10	لبنان	160,000	80	64
مجموعی طور پر (عرب ممالک)		**2,529,700**	**3,594**	**723**
یہودی وجود		**670,000**	**611**	**62**

یہودیوں کی حالیہ فوجی مہمات کا مطالعہ ان کی حقیقی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے: وہ مغربی حمایت کے بغیر کسی بھی جنگ میں اترنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ان کا امریکہ پر انحصار اس حد تک ہے کہ انہیں گولہ بارود تک وہیں سے لینا پڑتا ہے اور جنگ بندی کی بات چیت کے لیے بھی امریکی مداخلت درکار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، یہودی وجود 12 روزہ جنگ کے دوران محدود ایرانی بیلسٹک میزائل حملے کو برداشت نہیں کر سکی، حالانکہ عرب حکمرانوں نے یہودی وجود کے طیاروں کے لیے فضائی راستے فراہم کیے تھے، اور امریکی اینٹی میزائل سسٹم نے بہت سے ایرانی میزائلوں کو روک دیا تھا۔ پھر جب یہودیوں کے نقصانات بڑھنے لگے اور ان کے بڑے شہروں کا بنیادی ڈھانچہ کھنڈرات میں تبدیل ہونے لگا، تو واشنگٹن نے ایرانی ایٹمی تنصیبات پر فضائی حملے کر کے جنگ کا خاتمہ کیا۔

غزہ میں، یہودی وجود ہولناک قتل و غارت گری کرنے کے باوجود امت کے عزم کو نہیں توڑ سکا۔ وہ اپنی فوجی کارروائیوں کے ذریعے اپنے قیدیوں کو آزاد کرانے سے قاصر رہا۔ چنانچہ اس نے قطر اور مصر کے خائن حکمرانوں سے مدد طلب کی۔ ابھی بھی کئی یہودی قیدی غزہ کے مجاہدین کی قید میں ہیں۔ یہودی وجود غزہ، لبنان اور شام میں اپنی سرحدوں کو وسعت دینے کے لیے بھی بے تاب ہے تاکہ بفر زون قائم کر سکے، کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اگر عرب افواج اس کی شمالی سرحدوں کی جانب حرکت کریں تو وہ جنگ جیت نہیں سکے گا، لہٰذا وہ سرپرائز فیکٹر کو کم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ترکی الفیصل نے یہ غیر منطقی بیانات کیوں دیے، حالانکہ وہ نادان نہیں ہے اور یہودی وجود کی کمزوری کو جانتا ہے؟ جواب سادہ ہے: یہودی وجود کے خلاف جہاد کے لیے افواج کو متحرک کرنے کے لیے امت مسلمہ کے حلقوں میں بڑھتا ہوا عوامی دباؤ حکومتی ایوانوں تک پہنچ چکا ہے۔ غدار حکمران محسوس کر رہے ہیں کہ زمین ان کے قدموں تلے کانپ رہی ہے، اور وہ افواج کے اندر بڑھتے ہوئے غصے سے خوفزدہ ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے میڈیا کے ترجمانوں کے ذریعے اس شعور کو دبانے کی کوشش کی ہے۔ مصری صدر جنرل السیسی نے حال ہی میں غزہ میں فاقہ کشی کی مذمت کی، گویا وہ قتلِ عام سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہو، حالانکہ جنوبی سرحد سے محاصرہ وہی مسلط کیے بیٹھا ہے۔

امت مسلمہ بخوبی جانتی ہے کہ ہمارے حکمران ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت ہیں اور غیر ملکی جارحیت کے سامنے ڈھال بننے کے بجائے، وہ مجرم حملہ آوروں کے ساتھ صف بندی کیے ہوئے ہیں۔ یہ حکمران اپنی بناوٹی سرحدوں اور اپنے مبینہ قومی مفادات کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ لوگ ٹرمپ اور نیتن یاہو کے چہیتے ہیں۔ ان سے کسی بھلائی کی امید رکھنا سراسر حماقت ہے۔

مسلمانوں کی حقیقی امید وہ مخلص افسروں اور سپاہیوں ہیں جو یہودیوں سے لڑنے اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ غزہ کے بھوکے بچوں کی خوفناک تصاویر نے ان فوجیوں کے دلوں میں حکمرانوں کے خلاف نفرت کو مزید بھڑکا

دیا ہے، اور یہ خائن حکمران افواج کے اندر ایک بڑی بیداری کے خطرے کو محسوس کر رہے ہیں۔ ہمیں مخلص افسران اور سپاہیوں کے جذبات کو مسلسل بیدار کرتے رہنا چاہیے یہاں تک کہ یہ بیداری ایک ایسے طوفان میں بدل جائے جو غدار حکمرانوں کے تختوں کو بہا لے جائے۔ اور وہ دن دور نہیں جب امت اور اس کی افواج یہودیوں سے قتال کریں گی، ان کو شکست دیں گی، اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرائیں گی۔ تب، ترکی الفیصل جیسے منافقین امت اور اس کی افواج کی تکبیرات مسجد اقصیٰ سے سنیں گے، لیکن ان کے لیے دنیا و آخرت میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں بچے گا۔

ابو الزناد سے روایت ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جب ان کی وفات کا وقت آیا تو روئے اور فرمایا، **لقد وجدت كذا وكذا من الزحف، وليس في جسدي موضع إلا وفيه ضربة بسيف أو رمية بسهم، وها أنا أموت على فراشي كالبعير، فلا نامت أعين الجبناء "میں نے اتنی اتنی لڑائیاں لڑی ہیں، اور میرے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس پر تلوار کا وار یا تیر کا زخم نہ ہو، اور اب میں اونٹ کی طرح اپنے بستر پر مر رہا ہوں، بزدلوں کی آنکھیں کبھی نہ سوئیں!"۔**

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، فَيَقْتُلُهُمْ الْمُسْلِمُونَ، حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوْ الشَّجَرُ: »يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ، هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ "قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کرلیں، اور مسلمان انہیں قتل نہ کرلیں، یہاں تک کہ ایک یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپ جائے گا، تب پتھر یا درخت کہے گا: اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! میرے پیچھے ایک یہودی ہے، آؤ اور اسے قتل کردو، سوائے غرقد کے درخت کے، کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے" (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)**

[فہرست]

زنگیزور راہداری: جیو پولیٹکس بمقابلہ جیو اکنامکس

تحریر: استاد لطیف الراسخ

زنگیزور راہداری کا منصوبہ بات چیت کے مرحلے سے تکنیکی عمل درآمد کے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔ آذربائیجان اپنی سرزمین پر نقل و حمل کے بنیادی ڈھانچے کو فعال طور پر ترقی دے رہا ہے، جس میں نخجوان کی سرحد بھی شامل ہے۔ ترکی نے بھی کارس کے راستے ریلوے لائن فراہم کرنے کے لیے اپنی تیاری کی تصدیق کی ہے۔ اسی دوران، آرمینیا نے یکطرفہ طور پر راہداری منصوبے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، اور اپنی سرزمین پر نقل و حمل کے راستے پر مکمل کنٹرول کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس منصوبے کا نفاذ آرمینیا اور آذربائیجان کے درمیان سیاسی معاہدوں اور خطے میں نئے نقل و حمل کے ڈھانچے میں مداخلت کی خواہشمند بڑی بیرونی طاقتوں کے موقف پر منحصر ہے

بادی النظر میں، یہ لاجسٹک اقدام آذربائیجان، آرمینیا اور ترکی جیسے علاقائی کھلاڑیوں کے درمیان مفادات کے تصادم کے طور پر نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زانگیزور راہداری ایک عالمی مقابلے کا میدان بنتی جا رہی ہے، جس پر امریکہ، چین اور روس اپنا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تنازعہ صرف اشیاء کی ترسیل تک محدود نہیں ہے، بلکہ نقل و حمل کی راہداریوں پر اثر انداز ہونے، منڈیوں تک رسائی کھولنے اور یوریشیا میں اسٹریٹجک توازن کو تبدیل کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے

اقتصادی لحاظ سے، اگر ہم زنگیزور راہداری کا سوئز اور پاناما نہروں سے موازنہ کریں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے فوائد بہت کم ہیں۔ ان دونوں نہروں سے گزرنے والے سامان کا حجم اور عالمی تجارت میں ان کی اہمیت کہیں زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر، سوئز نہر عالمی تجارت کے تقریباً 12٪ حجم کا احاطہ کرتی ہے، جس سے مصر کو سالانہ 9 سے 10 ارب ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے۔ جبکہ پاناما نہر، جو بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے درمیان مرکزی رابطہ ہے، سالانہ 4 ارب ڈالر کی خالص آمدنی حاصل کرتی ہے۔

اس کے برعکس، زانگیزور راہداری سے سالانہ صرف 1 کروڑ سے 1 کروڑ 50 لاکھ ٹن مال گزرتا ہے، اور اس سے ہونے والی آمدنی کی زیادہ سے زیادہ حد چند سو ملین ڈالر ہے — جو کہ اس میں شریک ممالک، یعنی آذربائیجان، ترکی، آرمینیا اور قازقستان کے درمیان تقسیم ہوتی ہے۔ اس زمینی ڈھانچے کی تعمیراتی لاگت، بالخصوص پیچیدہ لاجسٹک زنجیروں اور سیاسی عدم استحکام کے خدشات کے تناظر میں، بحری نہروں کی لاگت سے کہیں کم ہے۔

تاہم، امریکی خارجہ پالیسی کے زاویے سے دیکھا جائے، تو زانگیزور راہداری اسٹریٹجک کنٹرول کے ایک ہدف کے طور پر اہم قدر رکھتی ہے۔ امریکی تاریخ میں نہر پانامہ کبھی محض اقتصادی منصوبہ نہیں تھی، بلکہ یہ سمندری تجارت اور عسکری نقل و حرکت پر کنٹرول کا ایک اسٹریٹجک ذریعہ تھی۔ موجودہ دور میں زانگیزور راہداری کے ایک حصے کو لیز پر لینے کی امریکی پیشکش، دراصل اس خطے میں اپنی موجودگی اور اثر و رسوخ قائم کرنے کی خواہش کی غماز ہے۔ امریکہ اس اقدام سے مالی آمدنی نہیں، بلکہ سیاسی اثر و رسوخ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

امریکہ اس راہداری کے اہم حصے، جس کی لمبائی 32 کلومیٹر ہے، پر آرمینیا کو کنٹرول دینے اور اس حصے کو 100 سال تک اپنی بیرونی انتظامیہ کے تحت لینے کے امکان پر غور کر رہا ہے۔ یہ طریقہ کار پاناما نہر یا فوجی اڈوں میں استعمال ہونے والی حکمت عملیوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ بنیادی ہدف جیو پولیٹکس ہے، نہ کہ لاجسٹکس۔ مریکہ اس اقدام کے ذریعے روس کو بے دخل کرنے، ایران کو کمزور کرنے اور "مشرقی پٹی" کے اس حصے میں چین کے اثر و رسوخ کو محدود کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ، زنگیزور پر کنٹرول، امریکہ کے براہ راست کنٹرول کے بغیر بھی، چین کو یوریشیائی بنیادی ڈھانچے کو استعمال کرنے سے روکنے کا ایک ذریعہ ہے۔

دوسری جانب، چین اس راستے کو روس کے راستے کا متبادل سمجھتا ہے، کیونکہ روسی راستے پابندیوں اور عسکری خطرات سے دوچار ہیں۔ بیجنگ "ایک پٹی، ایک شاہراہ" منصوبے کے تحت راہداریوں میں تنوع لانے کا خواہاں ہے، لہٰذا وہ بحیرۂ کیسپین اور جنوبی قفقاز کے بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری کر رہا ہے، بندرگاہوں، ٹرمینلوں، اور ریلوے لائنوں کو فروغ دے رہا ہے۔ تاہم، چین اس سمت میں محتاط اور بالواسطہ اقدامات کو ترجیح دیتا ہے، اور براہِ راست سیاسی یا عسکری مداخلت کے بجائے، کثیر الجہتی لاجسٹک پلیٹ فارمز اور مشترکہ تعاون پر مبنی نقل و حمل کو فروغ دے رہا ہے۔

آذربائیجان اس کشمکش میں ایک نازک صورتحال سے دوچار ہے۔ ایک طرف، باکو اس راہداری کو اپنے اثر و رسوخ کے فروغ، اقتصادی نمو، اور نخجوان کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے فعال طور پر استعمال کر رہا ہے؛ لیکن دوسری طرف، زانگیزور راہداری کا افتتاح ـــ خاص طور پر اگر اس میں بیرونی طاقتوں کی عسکری یا سیاسی مداخلت شامل ہو ـــ اس خطے کو عملی طور پر استعماری مفادات کے تصادم کا میدان بنا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آذربائیجان قلیل مدتی طور پر آرمینیا سے عبوری آمدنی اور سیاسی

مراعات حاصل کر لے، لیکن طویل مدتی طور پر اسے اس راہداری پر اپنی خود مختاری کھو دینے، بیرونی دباؤ کا شکار ہونے، اور سرحدی علاقوں میں عدم استحکام کے خطرات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

ترکی اس منصوبے میں ایک فعال شراکت دار کے طور پر ابھرتا ہے، لیکن اس کے اہداف محض لاجسٹک حدود تک محدود نہیں۔ انقرہ ایک ایسی سیاسی راہداری قائم کرنے کی کوشش میں ہے جو آبنائے باسفورس سے لے کر بحیرۂ کیسپین، وسطی ایشیا، اور پھر بیجنگ تک جائے —اور اس سب کو وہ "ترک دنیا" کے تصور کے تحت جواز فراہم کر رہا ہے۔

امریکہ خود اس منصوبے میں براہِ راست شامل نہیں، لیکن وہ ایک توازن قائم کرنے والی قوت کے طور پر ترکی کی حمایت کر رہا ہے، جو بیک وقت ایران، روس اور چین کے اثر و رسوخ کو محدود کر سکتی ہے۔ اس طرح، امریکہ ترکی اور باکو کے ساتھ ایک مفاداتی اتحاد قائم کر رہا ہے، جو بظاہر خود مختار لیکن مربوط کھلاڑیوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ تاہم، یہ اتحاد اندرونی تضادات سے خالی نہیں: جہاں ترکی مشرق و مغرب کے درمیان توازن برقرار رکھتا ہے، وہیں آذربائیجان مغرب کی حکمتِ عملی کا شکار ہو سکتا ہے۔

رہی بات آرمینیا کی، تو کمزوری کے باوجود، اس کے پاس ایک نہایت قیمتی اثاثہ ہے: وہ زمین جس سے یہ راہداری گزرنی ہے۔ کیا یریوان اس خطے پر اپنی خود مختاری برقرار رکھ پائے گا یا نہیں؟ یہی سوال اس راہداری کے مستقبل کی شکل طے کرے گا۔ دوسرے الفاظ میں، آیا یہ راہداری آرمینیائی خود مختاری کے تحت ہوگی یا سرحدوں سے ماورا ایک امریکی کنٹرولڈ منصوبہ؟ اس کا فیصلہ آنے والی مذاکراتی پیش رفت کے نتائج پر منحصر ہے۔

لہٰذا، زانگیزور راہداری کا منصوبہ اس وقت ایک عبوری مرحلے میں ہے۔ اگرچہ اس کا بنیادی ڈھانچہ ترقی کر رہا ہے، لیکن سیاسی طور پر یہ اب بھی غیر مستحکم ہے۔ یہ منصوبہ تب تک کاغذی خاکہ ہی رہے گا جب تک کہ شریک ممالک کو وعدہ شدہ اقتصادی فوائد اور قابلِ اعتماد ضمانتیں فراہم نہ کر دی جائیں۔

اسی دوران، ان مسلم اکثریتی ممالک پر سیاسی خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ آذربائیجان جہاں کنٹرول اور آمدنی کے حصول کی خواہش رکھتا ہے، وہیں اس کی زمین بڑی طاقتوں — جیسے امریکہ، چین اور روس — کے درمیان معرکہ کار بننے کے خطرے سے دوچار ہے۔ اس سے سیاسی انحصار اور طویل مدتی عدم استحکام کے خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس پورے خطے میں حقیقی خوشحالی اور استحکام کی ضمانت، صرف دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

فہرست

افغانستان — پاکستانی سیاست کی چکی اور علاقائی ایجنڈے کے سندان کے بیچ

بلال المہاجر — پاکستان

سن 2023 سے، پاکستانی حکومت نے افغان پناہ گزینوں کی ملک بدری کی کارروائیوں میں شدت لانا شروع کی، ایک ایسی حکمتِ عملی کے تحت جس کا مقصد کابل میں طالبان کی قیادت میں قائم عبوری افغان حکومت پر دباؤ ڈالنا ہے تاکہ وہ امریکی ارادے کے مکمل تابع ہو جائے۔ افغانیوں کی پاکستان کی طرف نقل مکانی کی کئی تاریخی وجوہات ہیں، جن کی جڑیں 1980ء کی دہائی میں سوویت یونین کے خلاف جہاد، اس کے بعد کی خانہ جنگی، اور پھر (2001 تا 2021) افغانستان پر امریکی جارحیت و قبضے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ پاکستان نے تاریخی طور پر افغانستان کے مسلمانوں کے لیے ایک اسٹریٹیجک گہرائی (Strategic Depth) کا کردار ادا کیا ہے، جس کی بنیادیں ان قبائلی رشتوں پر استوار ہیں جو "ڈیورنڈ لائن" کے آر پار پھیلے ہوئے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین (UNHCR) کے مطابق، پاکستان میں افغان مہاجرین کی تعداد 2002 میں تقریباً 30 لاکھ تک جا پہنچی، جن میں سے لگ بھگ 13 لاکھ 50 ہزار افراد باقاعدہ رجسٹرڈ تھے۔ گزشتہ دو دہائیوں میں پاکستان نے مہاجرین کی ملک بدری کی کارروائیاں وقفے وقفے سے جاری رکھیں۔ "انٹرنیشنل کرائسس گروپ" کے اندازے کے مطابق، پاکستان میں موجود افغان مہاجرین کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. اقوامِ متحدہ کی جانب سے جاری کردہ "پروف آف رجسٹریشن (PoR) "کارڈ رکھنے والے۔
2. پاکستانی حکومت کی جانب سے جاری کردہ "افغان سیٹیزن کارڈ (ACC) "رکھنے والے۔
3. وہ بڑی تعداد جو کسی بھی قسم کی قانونی دستاویزات سے محروم ہے۔

پاکستان کی افغان مہاجرین کے حوالے سے پالیسی تین نمایاں مراحل سے گزری:

پہلا مرحلہ: سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد کا دور (1980ء کی دہائی اور بعد): سوویت یونین کے افغانستان پر حملے کے دوران، پاکستان نے افغان مہاجرین کے لیے اپنی سرحدیں کھول دیں، جو امریکی اسٹریٹیجی کے عین مطابق تھا — ایک ایسی اسٹریٹیجی جس کا مقصد افغانستان کو سوویت یونین کے لیے "ویت نام" میں بدلنا تھا۔ ان مہاجرین کو "افغان مجاہدین" کے نام سے منظم کر کے جنگی تربیت دی گئی تاکہ وہ سوویت یونین کی افواج کے خلاف کارروائیاں انجام دے سکیں۔ 1989 میں سوویت یونین کے انخلا کے بعد بھی پاکستان کی سرحدیں نسبتاً کھلی رہیں، اور کسی بڑے تصادم سے بچنے کے لیے معمولی حد تک قوائد و ضوابط نافذ کیے گئے۔

دوسرا مرحلہ: 11 ستمبر 2001 کے بعد کا دور: جب واشنگٹن نواز جنرل پرویز مشرف اقتدار میں آیا تو افغانیوں سے متعلق پاکستانی پالیسی میں انقلابی تبدیلی آئی۔ جو مجاہدین کل تک ہیرو کہلاتے تھے، وہ دہشت گرد قرار پانے لگے۔ امریکہ کے افغانستان پر حملے کی حمایت کے

لیے اور پشتون قبائل کو طالبان کی مدد سے روکنے کے لیے پاکستان نے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ سرحدوں کو جزوی طور پر بند کیا گیا، میڈیا مہمات کے ذریعے پناہ گزینوں کو جرائم و منشیات سے جوڑا گیا، اور قانونی ترامیم کے ذریعے قبائلی علاقوں (فاٹا) کی خصوصی حیثیت ختم کر کے انہیں خیبر پختونخوا میں ضم کر دیا گیا۔ اس پالیسی کے دو مقاصد تھے: 1. مجاہدین کے ان رہنماؤں کی گرفتاری جو مہاجرین میں چھپے ہوئے تھے۔ 2. سرحد کے دونوں طرف کے مسلمانوں کے درمیان دائمی خلیج پیدا کرنا تاکہ خلافت کے کسی بھی وحدت پسند منصوبے کو ناکام بنایا جا سکے — وہ خلافت جس کا صرف نام بھی مغرب اور اس کے اتحادیوں کو لرزا دیتا ہے۔

تیسرا مرحلہ: امریکی انخلا (2021) کے بعد کا دور: اگست 2021 میں امریکی انخلا کے بعد سرحد کے آر پار پشتون قبائل کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوا، جنھوں نے 2002 سے جاری پاکستانی فوجی کارروائیوں سے تباہ حال اپنے علاقوں کی بربادی کا ذمے دار پاکستان کو ٹھہرایا۔ ساتھ ہی تحریک طالبان پاکستان نے پاکستانی فوج کے خلاف حملے تیز کر دیے، جنہیں ریاستی عسکری کارروائیوں اور محرومیوں کا ردِ عمل سمجھا گیا۔ اس پس منظر میں، پاکستانی حکام نے سیکیورٹی سخت کی اور افغان مہاجرین کے مسئلے کو افغان طالبان پر دباؤ ڈالنے کا ایک آلہ بنا دیا تاکہ دونوں اقوام کے درمیان فاصلہ مزید گہرا ہو۔

موجودہ پالیسی: نومبر 2023 میں ملک بدری کی نئی مہم کے پہلے مرحلے کا آغاز ہوا، جس میں تقریباً 13 لاکھ غیر قانونی افغانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ فروری 2025 تک پاکستان 8 لاکھ سے زائد افغانوں کو جبراً ملک بدر کر چکا تھا۔ جنوری 2025 میں اسلام آباد اور راولپنڈی میں مقیم افغانوں کو 31 مارچ تک علاقہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی ایسا "این او سی" حاصل کرنے کی شرط رکھی گئی جو تقریباً ناممکن تھا۔ مارچ میں وزارتِ داخلہ نے افغان شہری کارڈ (ACC) منسوخ کرتے ہوئے ان کے حاملین کو مہینے کے اختتام تک ملک چھوڑنے کا حکم دیا، جبکہ 30 جون کے بعد پروف آف رجسٹریشن (PoR) کارڈز کی تجدید بھی بند کر دی گئی، جس سے مزید 16 لاکھ پناہ گزین ملک بدری کے خطرے سے دوچار ہو گئے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق، نومبر 2023 سے فروری 2025 کے درمیان کم از کم 844,499 افغانیوں کو جبراً ملک بدر کیا گیا، جبکہ باقی ماندہ افراد کی ملک بدری کی حتمی تاریخ 1 ستمبر 2025 مقرر کی گئی۔

یوں، وہ پاکستانی ریاست جو برِ صغیر کے مسلمانوں کو ایک اسلامی اکثریتی ریاست کے تحت یکجا کرنے کے مقصد سے قائم ہوئی تھی، آج انہی مسلمانوں کو — جو سوویت اور امریکی جارحیت سے بچ کر افغانستان سے فرار ہوئے — ملک بدر کر رہی ہے۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر رہی ہے کہ مسلمان ایک اُمّت ہیں؛ ان میں کوئی فرق نہیں — نہ افغان و پاکستانی میں، نہ عرب و عجم میں — سوائے تقویٰ کی بنیاد کے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«يَا أَيُّهَا النَّاسُ: أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا**

بِالتَّقْوَى» "اے لوگو! یاد رکھو، تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کی بنیاد پر" (أحمد)

مغربی استعمار کی مسلط کردہ قومی ریاستوں کے نظام نے عالمِ اسلام میں سرحدی تنازعات پیدا کیے، اور امت کے وسائل کو جہاد کے بجائے سرحدوں کی حفاظت میں ضائع کیا۔ مثال کے طور پر، پاکستان نے "ڈیورنڈ لائن" پر باڑ لگانے کے لیے 500 ملین ڈالر خرچ کیے، جبکہ یہی رقم مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے مجاہدین کی تربیت میں استعمال کی جاسکتی تھی۔

اسی طرح، بارڈر اور پناہ گزینوں سے متعلق پالیسیوں میں سختی نے افغانستان میں پاکستان اور پاکستانی عوام کے لیے نفرت کا بیج بو دیا ہے، اور دونوں ممالک کے درمیان اور وسطی ایشیا کے ساتھ تجارت کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس طرح، جبری ملک بدریوں سے پیدا ہونے والے اختلافات دراصل دشمنانِ اُمّت —بالخصوص امریکہ اور بھارت— کے مفاد میں جا رہے ہیں، اور پاکستان و افغانستان کے درمیان کسی بھی ممکنہ اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔

آخر میں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ اسلام میں "پناہ گزین" کا کوئی تصور موجود نہیں: مسلمان ایک اُمّت ہیں، اور جس طرح کوئی شخص اپنے گھر کے کمروں میں آزادی سے نقل و حرکت کرتا ہے، ویسے ہی مسلمان عالمِ اسلام کے کسی بھی علاقے میں بلا روک ٹوک آ جا سکتا ہے۔ امن و استحکام کا قیام امت کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بانٹنے اور سرحدیں کھینچنے سے نہیں، بلکہ اسلامی عقیدہ اور شرعی نظامِ حیات پر کاربند ہونے سے حاصل ہو گا۔ آج پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں پائی جانے والی افراتفری کی اصل جڑ، وہ نظریاتی سیاسی ریاست (خلافت) کا فقدان ہے جو اُمّت کو وحدت بخشتی ہے۔ لہٰذا، خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے لیے جدوجہد نہ صرف شرعی فریضہ ہے، بلکہ یہ امن کے لیے ناگزیر بھی ہے

﴿إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾

"یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، پس میری ہی عبادت کرو" (سورۃ الأنبياء: آیت 92)

فہرست

قرآن کریم میں تمکین (اقتدار اور استحکام) کا تصور

استاد احمد القصص–لبنان

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ **"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور مستحکم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔" (سورۃ النور–آیت 55)**

جب ہم تمکین کی بات کرتے ہیں تو ہم اس معاملے کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں جس کے لیے تمام رسولوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ تو جس معاملے کی ہم اس مضمون میں بات کر رہے ہیں وہ کسی ایک شخص یا چند افراد کو اقتدار میں لانے اور مستحکم بنانے کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ دین کو اقتدار میں لانے اور مستحکم بنانے اور اس امت کو اقردار میں لانے اور مستحکم بنانے کا معاملہ ہے جو اس دین کو قائم کرتی ہے۔ اور دین کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس زمین پر زندگی گزارنے کا وہ طریقہ موجود ہو جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور جو قرآنِ کریم میں سب سے آخر میں نازل ہوا اس میں سے ایک یہ ہے: ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًاۚ﴾ **"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے، اور اسلام کو تمہارے لیے بطورِ دین پسند کیا ہے"۔ (سورۃ المائدہ – آیت 3)**

یعنی میں نے تمہارے لیے اسلام کو وفاداری، ایمان، شریعت اور طرزِ زندگی کے طور پر پسند کیا۔ پس، "دین" کا لفظ ان تمام معانی کا احاطہ کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس وقت تک رفیقِ اعلیٰ سے نہیں ملے جب تک کہ انہوں نے اپنا فریضۂ رسالت مکمل نہ کر لیا، یعنی پیغام پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کا عمل صرف پیغام پہنچانے تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ نے اسلام کے لیے ایک سیاسی ڈھانچہ قائم

کیا جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زمین میں مستحکم کیا، چنانچہ آپ ﷺ ایک مکمل اسلامی ریاست، دارالاسلام، چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے جو پورے جزیرہ نما عرب پر محیط تھی، تاکہ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے جانشین اس مشن کو وسعت دے کر اس سفر کو جاری رکھ سکیں۔ اور یہ وہ سفر تھا جو صدیوں تک جاری رہا، یہاں تک کہ ایک ایسا زمانہ آیا جب امت نے اس عظیم فریضے سے روگردانی کی، اور اس کی حکمرانی زمین سے ختم ہو گئی، اور اس کی تمکین کلی طور پر غائب ہو گئی۔ اور اب یہ دوبارہ تمکین (اقتدار اور استحکام) حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے اور اپنی سابقہ حالت پر لوٹنا چاہتی ہے، ایک ایسی امت کی حیثیت سے جو بااختیار ہو، جس کا دین مستحکم ہو، اور جسے زمین میں خلافت عطا کی گئی ہو، تاکہ وہ اس عظیم مشن کو پورا کر سکے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا تھا: **﴿كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِۗ﴾ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (سورۃ آل عمران – آیت 110)**

پس جب ہم تمکین (اقتدار اور استحکام) کی بات کرتے ہیں تو ہم زمین میں دین کے تمکین کی بات کرتے ہیں۔ لغت میں تمکین **"مَكَّنَ"** سے ہے، اور کسی چیز پر تمکین کا مطلب ہے اس پر قدرت عطا کرنا اور اس کے لیے سہولت و مدد فراہم کرنا۔ اور **"مَكَّنَ لَهُ فِي الشَّيْءِ"** کا مطلب ہے اسے اس چیز پر اختیار اور قدرت دینا۔ اور جو کسی قوم پر تمکین حاصل کر لے تو اس نے ان پر قدرت حاصل کر لی۔ پس، تمکین درحقیقت قدرت و اقتدار کا نام ہے۔ چنانچہ جب کہا جائے کہ فلاں شخص زمین میں صاحبِ تمکین ہو گیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے زمین پر فیصلہ سازی اور اقتدار کا اختیار حاصل ہو چکا ہے۔ بلاشبہ، زمین میں اقتدار ہی اصل تمکین ہے، اور یہی شخص حقیقتاً صاحبِ اختیار، صاحبِ اثر، اور صاحبِ اقتدار ہوتا ہے۔ لہٰذا، جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو زمین میں تمکین عطا فرماتا ہے، تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ انہیں زمین پر فیصلے نافذ کرنے، احکام جاری کرنے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی قدرت و اختیار عطا فرماتا ہے، تاکہ اہلِ کفر کا کلمہ پست ہو جائے۔ یہ تمکین اسی فطری کشمکش کے تناظر میں ہے جو مسلمانوں پر فرض ہے، یعنی حق اور باطل، ایمان اور کفر کے مابین مسلسل تصادم۔ قرآنِ کریم میں تمکین کا یہی مفہوم متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلۡأُمُورِ﴾ "وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔" (سورۃ الحج – آیت 41)** اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ

نے واضح طور پر بیان فرما دیا کہ اپنے نیک بندوں کو زمین میں تمکین دینے کا مقصد صرف ان کی ذاتی تمکین نہیں ہے، بلکہ اس تمکین کا مقصود اللہ کے دین کی بالادستی اور شریعت کی حاکمیت ہے۔ ﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّـٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ﴾ **"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔"(سورۃ الحج–آیت 41)** یہاں "نماز قائم کرنے" سے مراد صرف انفرادی عبادت نہیں بلکہ معاشرتی سطح پر نماز کا اجتماعی قیام ہے۔ اور "نیکی کا حکم دینا" اور "برائی سے روکنا" محض زبانی نصیحتوں سے نہیں، بلکہ اقتدار و حکمرانی کے ذریعے، ریاستی سطح پر ان احکام کا نفاذ مراد ہے۔ کیونکہ زبانی امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو ہر شخص کے لیے ممکن ہے، خواہ وہ زمین میں صاحبِ تمکین نہ ہو۔ اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی تمکین کا یہی مفہوم پاتے ہیں: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ **"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور مستحکم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔"(سورۃ النور–آیت 55)**

خلافت اور تمکین اللہ کی طرف سے ان لوگوں کے لیے وعدہ ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کی۔ پس تمکین اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے شرع پر عمل پر منحصر ہے۔ ﴿وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمۡ وَعَمِلُواْ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ﴾ **"اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا"** یعنی اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، جس طرح اس نے ان سے پہلے اقوام کو خلافت عطا کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ﴾ "اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور مضبوط و مستحکم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔" **اس بات کا واضح اظہار ہے کہ اس خلافت کا مقصد محض افراد کو اقتدار**

دینا نہیں، بلکہ دین کو زمین پر مستحکم کرنا ہے۔ غرض، مقصد ایک ایسی ایمانی جماعت کی تشکیل ہے جو اس طرزِ زندگی کو اپنائے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ أَمۡنٗاۚ﴾ "اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔" درحقیقت تمکین کے ثمرات میں سے ایک کی وضاحت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کے خوف کو امن و سکون میں بدل دے گا۔

پھر فرمایا: **﴿يَعۡبُدُونَنِي لَا يُشۡرِكُونَ بِي شَيۡـٔٗاۚ﴾ "وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔"** یہ تمکین کے اصل مقصد پر ایک اضافی دلیل ہے: کہ زمین پر ایسی زندگی قائم ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت غالب ہو۔ اسلامی تصور میں "عبادت" محض نماز، روزہ اور دیگر عباداتی شعائر تک محدود نہیں، بلکہ اللہ کی کتاب میں عبادت کا مفہوم اللہ کی کامل اطاعت اور تابع داری ہے۔ لہٰذا مقصود ایسی زندگی کا قیام ہے جس میں اللہ کی بندگی ہر شعبۂ حیات میں نمایاں ہو، ان تعلقات میں بھی جو معاشرے کو تشکیل دیتے ہیں، اور اس طرزِ زندگی میں بھی جو امتِ مسلمہ کو دیگر اقوام سے ممتاز بناتا ہے، یعنی ایک ایسی زندگی جس میں اسلامی طرزِ زندگی نمایاں ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ آیت کو اس فرمان سے ختم کرتے ہیں: **﴿وَمَن كَفَرَ بَعۡدَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ﴾ "اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔"** اس فرمان میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین میں تمکین کا مقصد دین کو اس طرح ظاہر کرنا ہے کہ اس کا ظہور، یعنی اس کا غلبہ، لوگوں پر حجت بن جائے، تو اس کے بعد جو بھی اس کا انکار کرے گا وہ فاسقوں میں سے ہوگا جو واضح نشانیوں کے ظاہر ہونے کے باوجود کفر اور فسق میں مبتلا ہوا۔ پس، تمکین کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ ایک ایسی باایمان مسلم جماعت وجود میں آئے جو اسلامی زندگی بسر کرے — ایک ایسا طرزِ حیات جو آج کی اصطلاح میں "اسلامی معاشرہ" کہلاتا ہے۔ تاہم جب ہم اسلامی معاشرے کی بات کرتے ہیں تو اس سے محض ایسا معاشرہ مراد نہیں ہوتا جس میں افراد مسلمان ہوں، کیونکہ آج دنیا کے تقریباً ہر گوشے میں مسلمان بستے ہیں، اور ان کی تعداد دو ارب سے تجاوز کر چکی ہے، لیکن یہ سب مل کر بھی ایک اسلامی معاشرہ تشکیل نہیں دیتے۔ کیونکہ معاشرہ لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جس کے درمیان دائمی تعلقات قائم ہوں، اور یہ دائمی تعلقات اس معاشرے کو اس کی شناخت اور اس کے طرزِ زندگی دیتے ہیں۔ تو اگر اس کے تعلقات اسلام کے مطابق تشکیل پائے ہوں تو

وہ ایک اسلامی معاشرہ ہو گا، اور اگر اس کے تعلقات سرمایہ داریت کے مطابق تشکیل پائے ہوں تو وہ ایک سرمایہ دارانہ معاشرہ ہو گا وغیرہ۔ اور یہ تعلقات اسلامی تب ہی ہوں گے جب معاشرے کی ثقافت اسلام کے افکار ہوں اور اس میں رائج نظام اسلام کا نظام ہو، یعنی شریعت۔ تو اگر مسلمان اسلام کے خالص تصورات کو اختیار کریں جو کسی بھی بیرونی تصور سے پاک ہوں اور اپنی زندگیوں میں اسلامی نظام کو نافذ کریں تب جا کر وہ ایک اسلامی معاشرہ بن پائیں گے۔ پس اگر اسلام مسلمانوں کے درمیان اپنے تصورات کے ساتھ پھیل جائے اور وہ اسلامی زندگی گزارنے کی خواہش رکھیں اور تمام غیر اسلامی تصورات کو ترک کر دیں لیکن وہ صرف اسلام کی ثقافت حاصل کرنے اور انفرادی طور پر اس پر عمل پیرا ہونے پر اکتفا کریں، تو جب تک ان کی سرزمین میں کوئی ایسا سیاسی نظام قائم نہ ہو جو ان پر اسلام کا نظام نافذ کرے اور ان کے معاملات کو اس کے ذریعے چلائے تو یہ معاشرہ اسلامی نہیں ہو گا، کیونکہ کسی بھی معاشرے کی شناخت اور اس کی تہذیبی ساخت کا سب سے بڑا تعین کنندہ وہ نظام (آئین، قوانین اور قانون سازی کے لحاظ سے) ہوتا ہے جو اس پر عملی طور پر نافذ ہوتا۔ پس، جب تک کسی معاشرے میں نافذ العمل نظام غیر اسلامی ہو، اسے اسلامی معاشرہ کہنا درست نہیں، چاہے وہاں کے باشندے اسلام کو مکمل طور پر خالص اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک مانتے ہوں۔ اور اس بنا پر تمکین کا کام دراصل یہ ہے کہ زمین میں ایک ایسی بااختیار امت کی تشکیل کی جائے جس کے پاس اقتدار ہو، اور جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شریعت کی حاکمیت ہو۔

سابقہ گفتگو ہمیں ایک نہایت اہم سوال کی طرف لے جاتی ہے: کیا تمکین (اقتدار اور استحکام) اس دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے حتمی مقصد ہے؟ یا یہ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کا محض ایک ذریعہ ہے؟

یہ سوال ہمارے دور کے مسلمانوں کے درمیان خاصی بحث اور اختلاف کا باعث بنا ہوا ہے۔ بہت سے مسلمان، خصوصاً وہ جو اخلاص اور دینی حمیت سے سرشار ہیں، یہ گمان رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کے عروج کی انتہا اور اسلام کے اطلاق، اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کا نتیجہ ہے۔ اس تصور کے تحت وہ کہتے ہیں: "ہمیں پہلے اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہیے، پھر ریاست خود بخود قائم ہو جائے گی۔" لیکن یہ سوچ ایک بڑی فکری کمزوری پر مبنی ہے، جو ریاست کے حقیقی مفہوم اور اس کے بنیادی کردار کو نہ سمجھنے کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ پس، اسلام میں ریاست نہ تو عروج کی انتہا ہے، نہ ترقی کی آخری منزل، اور نہ ہی کوئی حتمی مقصد۔ بلکہ ریاست، اسلام کے قیام، اسلامی زندگی کے وجود، اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کا عملی ذریعہ ہے۔ تمام سیاسی فکر رکھنے والے، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ریاست کسی بھی امت کے تصورات، اعتقادات اور اقدار کے

مجموعے کی تنفیذی شکل ہوتی ہے۔ یعنی ریاست اس طرزِ زندگی کے نفاذ کا ذریعہ ہے جسے ایک قوم اپنانا چاہتی ہے۔ لہٰذا جب تک اسلامی ریاست موجود نہ ہو، نہ اسلامی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے، اور نہ اسلامی طرزِ زندگی ممکن ہے۔ چنانچہ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست یا خلافت کا قیام امت کی ترقی و عروج کی آخری منزل ہے جب امت پہلے ہی مکمل طور پر اسلام پر عمل پیرا ہو چکی ہو، تو وہ دراصل اسلامی ریاست اور اس کے مقصد کو سمجھے بغیر بات کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی ریاست کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا، اور اس کے احکام زمین پر اس وقت تک عملاً زندہ نہیں ہو سکتے جب تک ان کے نفاذ کے لیے کوئی ریاست موجود نہ ہو۔ اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زمین میں تمکین کو اسلامی طرزِ زندگی کے قیام، شرعی احکام کے نفاذ اور امن کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو اسلامی دعوت کو صرف وعظ و نصیحت یا عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں جیسا محدود فریضہ سمجھتا ہے، اور اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے عملی، سنجیدہ جدوجہد کس طرح کی جائے، تو ایسا شخص، خواہ یہ کام شعوری طور پر کرے یا غیر شعوری طور پر، وہ اسلام کو قائم کرنے والا داعی نہیں کہلا سکتا۔ وہ درحقیقت صرف انفرادی اصلاح کی دعوت دے رہا ہوتا ہے، جبکہ اور کوئی فرد اکیلا اسلام کو مکمل طور پر نافذ نہیں کر سکتا، بلکہ تمام افراد بھی ریاست کے بغیر اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے، کیونکہ اسلام صرف افراد کے لیے نہیں آیا، بلکہ اسلام ایک نظامِ زندگی کے طور پر آیا ہے، اور اس کے نفاذ کے لیے ایک ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔ ریاست کسی بھی تہذیب اور کسی بھی سیاسی ثقافت کی تنفیذی ہستی ہے۔ یہ اس طرزِ زندگی کی تنفیذی ہستی ہے جسے لوگ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ زمین میں تمکین (اقتدار اور استحکام) کا مسئلہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک ایسی ریاست قائم کی جائے جو مسلم امت کے اقتدار کی نمائندہ ہو — ایسی ریاست جو تمکین کو عملی صورت دے، اور یہ ریاست کوئی بھی عام ریاست نہیں ہو سکتی، بلکہ امت کی ریاست ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر، اگر ہم تصور کریں کہ مسلمان کسی خطے میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لیتے ہیں، مگر وہ اتنی طاقتور نہیں کہ دشمنوں کے مقابلے میں خود کو محفوظ رکھ سکے، تو ایسی ریاست اسلام اور مسلمانوں کو زمین میں حقیقی تمکین (اقتدار اور استحکام) فراہم نہیں کر سکتی۔ اس لیے وہی ریاست اسلام اور مسلمانوں کو تمکین دے سکتی ہے جسے اسلام "دارُالاسلام" کہتا ہے۔ اور دارُالاسلام ہی، اپنی تعریف اور شرعی حیثیت کے اعتبار سے، اسلام اور مسلمانوں کی تمکین (اقتدار اور استحکام) کی عملی شکل ہے۔ دارُالاسلام کی شرعی تعریف یہ ہے کہ: "وہ سرزمین جہاں اسلام نافذ ہو، اور اس کا امن مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔" یعنی وہاں اسلامی احکام کا مکمل نفاذ ہو، اور داخلی و خارجی امن کی ذمہ داری مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اگر ان دو شرائط میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو جائے، چاہے وہ اسلام کا مکمل نفاذ ہو یا ریاست کا امن مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا، تو ایسی ریاست کو دارُالاسلام نہیں کہا جا سکتا، اور نہ ہی

وہ ریاست اسلام اور مسلمانوں کو حقیقی تمکین (اقتدار اور استحکام) دے سکتی ہے۔ کیونکہ جہاں کافر کا تسلط اور غلبہ ہو، وہاں تمکین ممکن ہی نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَن يَجۡعَلَ ٱللَّهُ لِلۡكَٰفِرِينَ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ سَبِيلًا﴾ **"اور اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر کوئی غلبہ نہیں دے گا۔"(سورۃ النساء– آیت 141)**

اور جب دارُالاسلام قائم ہو جائے تو مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ صرف اپنی ریاست میں اسلام کے نفاذ پر اکتفا کریں، بلکہ اس ریاست کی ایک جامع خارجی پالیسی ہونی چاہیے، جو اسلام کو پوری دنیا تک بطور پیغام پہنچانے پر مبنی ہو۔ یہی وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تعبیر ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدٗاۗ﴾ **"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ ہو۔"(سورۃ البقرہ– آیت 143)**

ایک اہم مسئلہ جو آج کے دور میں بعض مسلمانوں کے مابین بحث و ابہام کا باعث بنا ہوا ہے، وہ یہ ہے: کیا زمین میں خلافت اور تمکین کا قیام مسلمانوں کی کوششوں پر منحصر ہے؟ اور کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کردہ ایک شرعی ذمہ داری ہے؟ یا پھر یہ محض اللہ کا فضل ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تمکین مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داریوں میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے، تو ہمیں عام طور پر ایمان اور نیک اعمال پر عمل کرنا چاہیے بغیر اس کے کہ ہم اقتدار اور حکومت سنبھالنے کی کوشش کریں، اگر ہم میں ایمان اور نیک اعمال نمایاں ہوں گے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل سے زمین میں خلافت اور تمکین عطا فرمائے گا۔ لیکن یہ نظریہ **کسی بھی شرعی دلیل پر مبنی نہیں ہے، بلکہ شریعت کے صریح دلائل کے خلاف ہے**۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ مسلمان **نصرت اور غلبے کے اسباب اختیار کرنے کے مکلف ہی نہیں**، جب کہ اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ حکم دیا ہے: ﴿وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٖ وَمِن رِّبَاطِ ٱلۡخَيۡلِ تُرۡهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمۡ لَا تَعۡلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعۡلَمُهُمۡۚ﴾ **"اور تم ان کے مقابلے کے لیے، جہاں تک ممکن ہو، قوت اور تیار بندھے گھوڑے مہیا رکھو، تاکہ اس کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو، اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔"(سورۃ الأنفال– آیت 60)** یہ آیت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال کی تیاری اور طاقت حاصل کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اگر مسلمان اس تیاری سے غفلت برتیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد نہیں فرماتا، بلکہ ان پر تنبیہ کرتا ہے کہ وہ خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا تُلۡقُواْ بِأَيۡدِيكُمۡ إِلَى ٱلتَّهۡلُكَةِ﴾ **"اور اللہ**

کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"(سورۃ البقرہ – آیت 195) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قتال کی تیاری نہیں کریں گے تو وہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی مدد نہیں کرے گا، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نصرت کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نصرت اپنے مومن بندوں کی کوشش کے بغیر حاصل ہو جائے۔

اور اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر غور کریں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعثت کے بعد سے لے کر مدینہ کی ریاست کے قیام تک، خلافت اور تمکین کے لیے محض اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار نہیں کیا۔ بلکہ آپ ﷺ قبائل کے پاس تشریف لے جاتے، ان سے سوال کرتے: "تمہارے پاس کس درجے کی طاقت اور تحفظ کی صلاحیت ہے؟" آپ ﷺ ان سے یہ مطالبہ کرتے کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو زمین میں وہ اقتدار حاصل ہو جائے جس کے ذریعے آپ اللہ کا پیغام مکمل طور پر پہنچا سکیں اور اسلام کے لیے ایک ریاست قائم کر سکیں۔ اسی بنا پر، جب اہلِ مدینہ نے آپ ﷺ کو اپنے علاقے میں قیادت سونپی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں "انصار" کا عظیم لقب عطا فرمایا، کیونکہ انہوں نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی، بلکہ خود اسلام کی نصرت کی۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے مدینہ کی اسلامی ریاست، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان عملی کوششوں کے نتیجے میں قائم ہوئی، جو انہوں نے تمکین (اقتدار اور استحکام) کے اسباب کے حصول کے لیے کیں۔

یقیناً ایسا ممکن ہے کہ خلافت و تمکین کے لیے سرگرم لوگ تمام تر شرعی اسباب اختیار کریں اور پھر بھی فوری طور پر تمکین حاصل نہ کر سکیں، کیونکہ بعض اوقات ان کے پاس وہ تمام عناصر مکمل طور پر موجود نہیں ہوتے، یا ان میں سے کچھ عوامل ان کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ یہی کچھ پچھلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ لیکن اگر کوئی ان اسباب کو سرے سے اختیار ہی نہ کرے، تو یہ بات یقینی ہے کہ نہ خلافت قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی زمین میں تمکین حاصل ہو سکتی ہے۔ تو زمین میں کوئی خلافت اور کوئی تمکین اس کے لیے عمل کیے بغیر اور اس کے اسباب اختیار کیے بغیر ممکن نہیں۔ تو اسباب اختیار کرنے کے بعد مقصد حاصل ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا، یہ معاملہ علمِ غیب میں ہے۔ لیکن اس امت سے خلافت کا وعدہ اللہ کی کتاب میں **نصِ صریح کے ساتھ کیا گیا ہے،** جیسا کہ اس کے فرمان میں آیا: ﴿**وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمۡ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ كَمَا ٱسۡتَخۡلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِينَهُمُ ٱلَّذِي ٱرۡتَضَىٰ لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ**

أَمۡنٗاۚ يَعۡبُدُونَنِي لَا يُشۡرِكُونَ بِي شَيۡـٔٗاۚ وَمَن كَفَرَ بَعۡدَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ﴾ "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا، اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور مضبوطی کے ساتھ قائم کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔"(سورۃ النور–آیت 55) ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿هُوَ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ﴾ "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناپسند ہو۔"(سورۃ الصف–آیت 9)

یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا، اور اگرچہ اسلام آج دنیا کے ایک بڑے حصے پر پھیل چکا ہے، مگر وہ مکمل اور فیصلہ کن تمکین، جو وعدہ شدہ ہے، ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ چنانچہ یہ وعدہ اب بھی منتظرِ تکمیل ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إنّ الله زوى لي الأرض، فرأيت مشارقها ومغاربها، وإنّ أمّتي سيبلغ ملكها ما زوي لي منها) "بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا، اور بے شک میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی۔"

لیکن یہ وعدہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک امت ان اسباب کو اختیار نہ کرے جو خلافت اور تمکین تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ اور یہ اسباب، بغیر کوشش، عزم اور منظم جدوجہد کے، کبھی خود بخود مکمل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَنصُرُواْ ٱللَّهَ يَنصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ أَقۡدَامَكُمۡ﴾ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت قدم رکھے گا۔"(سورۃ محمد–آیت 7)

فہرست

اسلامی عقیدہ نجات کی بنیاد ہے اور زندگی کے لیے رہنما ہے

تحریر: استاد میاس المکردي – ولایہ یمن

لغت کے اعتبار سے عقیدہ وہ چیز ہے جو دل میں بندھ جائے، اور شرعی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے کہ انسان اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن، اور تقدیر کے خیر و شر ہونے پر ایمان رکھے۔ جیسا کہ صحیحین میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور سوالات کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **«أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ» "(ایمان یہ ہے) کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن، اور تقدیر کے خیر و شر ہونے پر ایمان لاؤ۔"**

عقیدہ، حقیقت سے مطابقت رکھنے والا ایسا قطعی یقین ہوتا ہے جو دلیل کی بنیاد پر حاصل ہو۔ اسلامی عقیدہ ایک عقلی عقیدہ ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ مندرجہ ذیل عقائد کے لیے اپنی عقل کو دلیل بنائے؛ ایک خالق کا وجود لازم ہے، اس خالق نے کائنات کو عدم سے تخلیق کیا ہے، وہ کسی طرح اپنی مخلوق سے مشابہ نہیں ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر ایمان کے جو ارکان نقلی دلائل (یعنی نصوص) سے ثابت ہیں ان پر ایمان لائے اور اس معاملے عقل کا کام صرف اتنا ہے کہ ان قطعی دلائل کی روشنی میں ایمان کے ارکان کو قطعیت کے ساتھ تسلیم کرلے کیونکہ خود عقل کا ان کے لیے دلیل بننا درست نہیں ہے۔

اسلامی عقیدہ ایک سیاسی عقیدہ بھی ہے، یعنی یہ محض مذہبی یا الٰہیاتی عقیدہ نہیں ہے جس میں بندہ صرف اس بات پر ایمان رکھے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے اور پھر اسے اپنی زندگی کے امور سے الگ رکھے، بلکہ یہ ایک سیاسی عقیدہ ہے جس سے ایسا نظام نکلتا ہے جو انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو چلاتا ہے اور اس کے مفادات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس سے شریعت کے احکام نکلتے ہیں جو انسان کے تمام تعلقات کو منظم کرتے ہیں چاہے وہ تعلقات انسان کے اپنے رب کے ساتھ ہوں، اپنے نفس کے ساتھ ہوں یا دیگر مخلوقات کے ساتھ تعلقات ہوں۔ ان تعلقات میں حاکمیت کا تعلق بھی شامل ہے، یعنی حاکم اور محکوم کا تعلق، جس کی اصل یہ ہے کہ کائنات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے یعنی اپنی مخلوق کا مالک ہونے، اس سے متعلق تصرف کرنے اور اس کے لیے تدبیر کرنے کا حق صرف اسی کے پاس ہے۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حاکمیت کے مسئلے کو منظم کرنا عقیدے کا لازمی جزو ہے، یعنی ایک مسلمان یہ ایمان رکھتا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ اسی سے "حاکمیت کے عقیدہ" کی اصطلاح پیدا ہوئی ہے۔

انسان کی عقلیہ (افکار) اور نفسیہ (میلانات) کو جڑ سے تبدیل کرنے کی بنیاد عقیدہ ہے، جو اسے ایک اسلامی شخصیت بناتا ہے۔ حاکمیت کا عقیدہ توحید کے کلمہ کی پہلی شرط ہے، یعنی "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی پہلی حقیقی شرط حاکمیت کا عقیدہ ہے۔ اگر حاکمیت کا عقیدہ نہ ہو

تو کلمہ توحید کا حقیقی مفہوم ختم ہو جاتا ہے، اور اس کا اثر معمولی یا عارضی ہو جاتا ہے۔ اس لئے حاکمیت کا عقیدہ اسلامی زندگی میں عملی وجود رکھنے اور نافذ ہونے کا تقاضہ کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ اسلام اور کفر کے درمیان تصادم کی اصل بنیاد ہے۔

عقیدے کی تشریح کرنے والوں نے حاکمیت کے عقیدے کے دو پہلو بیان کیے ہیں۔ پہلا پہلو حاکمیتِ تخلیقی ہے، یعنی کائنات کی ایک ایک چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے اور تخلیق کرنے، اندازہ مقرر کرنے اور تقدیر لکھنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور اس حقیقت کا انکار صرف ملحد ہی کرتا ہے۔ تاہم ہمارا موضوع دوسرا پہلو ہے یعنی قانون سازی کی خودمختاری، جو اہمیت کے لحاظ سے تیسرے معاملے میں آگے بیان ہوا ہے۔

یہ درست ہے کہ کفار مجموعی طور پر اسلام نہیں چاہتے، لیکن تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ ان میں سے کسی ایک میں کامیاب ہو جائیں تو اسلام اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔

1- پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنی نصوص سے ان کی تقدیس چھین لی جائے۔ مستشرقین نے اس مقصد کے لیے "The History of the Quran" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے مکمل ہونے میں تقریباً 80 سال لگے۔ اس کا مصنف مستشرقین کا شیطان لنڈ کے تھا۔ یہ لوگ قرآن کو ایک انسان کے الفاظ کے طور پر دیکھتے ہیں، جو تنقید، تجزیہ، بحث، تحقیق اور غور و فکر کے لیے کھلا ہے۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ یہ نہ تو قابل قبول ہے اور نہ ہی مقدس۔ تاہم، اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، کیونکہ مسلمان، حالات سے قطع نظر، اپنے مذہب کی تقدیس کرتے ہیں۔

2۔ دوسرا معاملہ سنت کی حقانیت پر ضرب لگانا اور بخاری، مسلم وغیرہ کی کتابوں پر حملہ کرنا ہے۔ وہ مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ اس میں کامیاب نہیں ہوئے، اور اگرچہ چند روشن خیال افراد متاثر ہوئے، لیکن وہ صحیح معنوں میں امتِ مسلمہ میں اپنا زہر نہیں ڈال سکے۔ اس لیے انہوں نے سنت کی حقانیت پر ضرب لگا کر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔

3. تیسرا معاملہ عقیدہِ حاکمیت کے خلاف جنگ ہے اور اس میں وہ کامیاب ہوئے اور مسلمانوں پر تسلط حاصل کیا۔ ہم تفصیل سے بتائیں گے کہ وہ ذہن کو قریب لانے کے لیے کچھ معاملات میں کیسے کامیاب ہوئے۔

قرآن ہمیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو، لیکن وہ مسلمانوں کو تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ قرآن کفار کے ساتھ دوستی سے منع کرتا ہے، مگر آج مسلمان عالمی اداروں جیسے کہ سلامتی کونسل اور بین الاقوامی عدالت کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو صرف کافروں کے مفادات کی خدمت کرتے ہیں، اور اس بات پہ زمینی حقائق خود سب سے بڑے گواہ اور ثبوت ہیں۔

قرآن جہاد کا حکم دیتا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، مگر آج مسلمان اپنے وطن کے لیے لڑ رہے ہیں اور قرآن کی تعلیم ﴿**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ**﴾ "**بیشک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں**" (سورۃ الحجرات - آیت 10) کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ قرآن صرف اسلامی نظام کو

تسلیم کرتا ہے، اس کے باوجود کفار مسلم ممالک میں جمہوریت، بادشاہت اور دیگر نظامِ حکومت قائم کرنے میں کامیاب رہے ہیں جو اسلامی نظریے سے متصادم ہیں، اور جو امت کی تقسیم کو بڑھاوا دیتے ہیں۔

قرآن ہمیں حکم دیتا ہے کہ کمزور مسلمانوں کی مدد کرو چاہے وہ کہیں بھی ہوں، لیکن آج، غزہ مر رہا ہے جبکہ فوجیں سائکس-پیکو معاہدے کے وقت استعمار کی طرف سے کھینچی گئی سرحدوں کی حفاظت کر رہی ہیں۔ قرآن میں اللہ کی حاکمیت کے بارے میں ساٹھ سے زیادہ آیات موجود ہیں۔

لہٰذا، اگر حاکمیت کا عقیدہ نہ ہو تو دونوں گواہیاں (یعنی کلمۂ طیبہ: لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ) کا مطلب مکمل نہیں ہوتا، بلکہ ایمان حاصل کرنا اور اس پر سچا یقین رکھنا بھی اسی عقیدے کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**﴾ "**آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں بن سکتے جب تک کہ آپ ﷺ کو اپنے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ ﷺ کے فیصلے پر دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور مکمل طور پر سر جھکا دیں۔**" (سورۃ النساء: آیت 65)۔ اس لیے اگر حاکمیت کا عقیدہ نہ ہو تو اسلام صرف چند عبادات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے، جو صرف مسجدوں تک محدود ہوتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس عقیدے سے نہ جڑنے کی وجہ سے یہ عبادتیں بھی چھوڑ دی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**لَيُنْقَضَنَّ عُرَى الإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً، فَكُلَّمَا انْتَقَضَتْ عُرْوَةٌ تَشَبَّثَ النَّاسُ بِالَّتِي تَلِيهَا، وَأَوَّلُهُنَّ نَقْضًا الْحُكْمُ، وَآخِرُهُنَّ الصَّلَاةُ**» "**اسلام کی گرہیں ایک ایک کر کے کھلتی جائیں گی، جب ایک گرہ کھلے گی تو لوگ اگلی گرہ کو پکڑ لیں گے، اور سب سے پہلی گرہ جو کھلے گی وہ حکمرانی ہوگی، اور سب سے آخری گرہ نماز ہوگی۔**" اسی لیے اسلام نے حکمرانی کو تمام فرائض کا تاج قرار دیا ہے۔ اگر یہ فریضہ چھوڑ دیا جائے تو باقی احکام بھی ایک ایک کر کے ختم ہوتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ آخر میں نماز بھی۔

اسی لیے جب ہم لوگوں کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مختلف معیارات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر شخص کا ایک الگ معیار ہوتا ہے۔ آپ ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کا معیار صرف ذاتی مفاد ہوتا ہے — نہ اسے اپنے معاشرے کی پرواہ ہے، نہ اپنے ملک کی، اور نہ ہی اپنے دین کی۔ دین میں سے بھی وہ صرف وہی چیزیں اپناتا ہے جو اس کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے نماز اور روزہ۔ پھر وہ زبان سے ایسے نعرے بھی لگا دیتا ہے جیسے: "مخلوق کو خالق پر چھوڑ دو" ایسا شخص — اور اس جیسے دوسرے لوگ — معاشرے میں ہوں یا نہ ہوں، کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ وہ صرف اپنی ذات کے لیے جیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿**أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ**﴾ "**کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے، جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا؟**" (سورۃ الجاثیۃ: آیت 23) یعنی جو شخص صرف اپنی ذاتی مصلحت کے پیچھے چلتا ہے، وہ یقینی طور پر اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، کیونکہ

وہ اللہ کے دین کو اپنی مرضی سے چنتا ہے: جو چیز فائدے میں ہو اسے لے لیتا ہے، اور جو اس کے مفاد کے خلاف ہو، تو ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے کبھی سنی ہی نہ ہو!

دوسرا معیار یہ ہے کہ ایک انسان اپنے سردار، پیر، شیخ یا کسی بڑے کا اندھا پیروکار بن جائے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے، وہ دراصل اپنے اس لیڈر یا رہنما کو — جو کہ ایک عام انسان ہی ہوتا ہے — اللہ کے سوا ایک رب بنا لیتا ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے سنا: ﴿**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ**﴾ "**انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا**" (سورۃ التوبۃ: آیت 31) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ لوگ تو اپنے علما اور راہبوں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «**أَجَلْ، وَلَكِنْ يُحِلُّونَ لَهُمْ مَا حَرَّمَ اللهُ فَيَسْتَحِلُّونَهُ، وَيُحَرِّمُونَ عَلَيْهِمْ مَا أَحَلَّ اللهُ فَيُحَرِّمُونَهُ، فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ لَهُمْ**» "**ہاں، لیکن جب وہ علماء اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دیتے، تو یہ لوگ بھی انہیں حلال سمجھ لیتے، اور جب وہ حلال چیزوں کو حرام کر دیتے، تو یہ بھی حرام سمجھ لیتے۔ یہی ان کی عبادت تھی اُن کے لیے۔**"

تیسرا معیار رکھنے والا شخص عقیدے والا انسان ہے، جو اپنی زندگی اللہ کے حکم کے مطابق گزارتا ہے۔ وہ دلیل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، جہاں دلیل جائے وہیں جاتا ہے، اور اگر اسے کبھی ایسا لگے کہ اس کی ذاتی مصلحت اللہ کی دلیل کے خلاف ہے، تو وہ اپنی مصلحت کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایسا انسان درحقیقت اللہ کو ہی اپنا حاکم مانتا ہے۔ وہ زندگی میں کسی اور کو حاکم نہیں مانتا، بلکہ اس کا حاکم صرف اللہ ہی ہوتا ہے۔

فہرست

اسباب اور مسببات... کیا نتائج کا حاصل کرنا ہمارے ہاتھ میں ہے؟ مثال کے طور پر نصرۃ۔

ڈاکٹر محمود عبد الہادی

اسباب اور مسببات کا مطالعہ، اسباب اور نتائج کے باہمی تعلق کا جائزہ، یا جسے سببیّت کا قانون کہا جاتا ہے، اور یہ کہ آیا یہ تعلق ثابت اور غیر متغیر ہے یا نہیں، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر علمی، فکری اور شرعی تحقیق کرنے والے علماء طویل عرصے سے غور و فکر کرتے آئے ہیں۔ عملی طور پر تمام لوگوں کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ یہ تعلق بدیہی اور قطعی ہے، اور یہ ربط و تعلق دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ قدر اور اس کی وہ قدرت ہے جو اشیاء اور انسانوں میں کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

اس سیاق میں "سبب" کی اصطلاح دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ایک وہ مفہوم جو عقلی اور مادی امور دونوں میں مراد لیا جاتا ہے، یعنی کوئی ایسی چیز جو کسی دوسری چیز کا سبب ہو اور جس سے کوئی نتیجہ پیدا ہو۔ مثال کے طور پر، کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے پر شیشے کا ٹوٹ جانا، یا اگر رسی ٹوٹ جائے تو اس سے لٹکی ہوئی کسی شے کا گر جانا، یا اندرونی دباؤ کے بڑھتے چلے جانے سے کسی بند شے کا پھٹ جانا۔ یہ ٹکر لگنا، ٹوٹ جانا یا دباؤ عقلی اعتبار سے ایک سبب ہے جس سے ایک نتیجہ یا اثر پیدا ہوتا ہے، یعنی ٹوٹنا، گرنا یا پھٹنا۔ یہ اثر لازمی طور پر اس وقت ہی پیدا ہوتا ہے جب وہ سبب موجود ہو، اور اس سبب کے موجود ہونے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ "سبب" کی اصطلاح اصول الفقہ میں اصطلاحی طور پر شرعی معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ جیسے رمضان یا شوال کے ہلال کا نظر آنا، جس سے روزے یا عید کا شرعی حکم ثابت ہوتا ہے، یا سورج غروب ہونا، جس سے مغرب کی نماز کا شرعی حکم قائم ہوتا ہے۔ یہ سبب اس معنی میں ہے کہ اس سے روزے، عید یا نمازِ مغرب کا حکم وجود میں آتا ہے، لیکن یہ سبب حکم کے لئے شرعی دلیل فراہم نہیں کرتا۔ یعنی شرعی حکم اپنی شرعی دلیل کی بنیاد پر ثابت ہوتا ہے، نہ کہ سبب کی وجہ سے، کیونکہ یہ کوئی عقلی سبب نہیں ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ عقلی امور میں سبب، مسبّب کو وجود میں بھی لاتا ہے اور اسے ثابت بھی کرتا ہے، لیکن شرعی امور میں سبب صرف حکم کو وجود میں لاتا ہے، اسے بطورِ دلیل ثابت نہیں کرتا۔ اس تحقیق میں مراد وہ سبب ہے جو عقلی یا مادی امور کا ہو، یعنی وہ عمل یا اعمال جن کے ذریعے کسی مقصد تک پہنچنا مقصود ہو، اور مطلوب مقصد ہی "مسبّب" یا نتیجہ کہلاتا ہے۔

اسباب اور مسببات پر بحث ہر اس سبب اور نتیجے کے لئے عمومی طور پر ہے، یا اس کے لئے جو غالب گمان کے مطابق سبب اور نتیجہ ہو۔ مثال کے طور پر، تعلیم ایک سبب ہے جس کا مقصود اور مطلوب نتیجہ کامیابی ہے۔ کھیتی باڑی ایک سبب ہے جس کا مقصود اور مطلوب نتیجہ فصل کی کٹائی ہے۔ جنگ کی تیاری اور لڑائی ایک سبب ہے جس کا مطلوب نتیجہ فتح و نصرت، دھاک و اثر اور طاقت کا پھیلاؤ، اور دشمن پر ہیبت طاری کرنا ہے۔ سزائیں دینا ایک عقلی، مادی اور عملی سبب ہیں تاکہ قانون کی خلاف ورزی کا سدباب کیا جا سکے۔ اسلامی ریاست قائم کرنے کا شرعی طریقہ ایک مادی اور عملی سبب ہے جس کا نتیجہ اس ریاست کا قیام ہے، جو کہ مطلوبہ نتیجہ ہے۔ پس، اسباب

اور مسببات کا موضوع عمومی معنی میں ہے، اور درج بالا تمام مسائل یا مثالیں اسی کے تحت آتی ہیں۔ اس میں عربی کہاوت "[مَن جَدَّ وَجَدَ وَمَن زَرَعَ حَصَدَ]" "جس نے محنت کی اُس نے پایا، اور جس نے بویا اُس نے کاٹا" کا مفہوم بھی اپنی عمومیت کے ساتھ شامل ہے۔

چونکہ یہ بحث ان موضوعات میں عام ہے، اس لئے جو بات ان میں سے کسی ایک پر اس کے سبب، مسبب، نتیجہ یا مقصد ہونے کے اعتبار سے صادق آئے گی، وہ سب پر لاگو ہو گی۔ لہٰذا ان میں سب سے زیادہ ذکر کیا جانے والا اور جس کے بارے میں سب سے زیادہ سوال کیا جاتا ہے، وہ "نصرۃ" کا موضوع ہے، بطور ایک ایسے نتیجے کے جو کچھ اعمال سے حاصل ہوتا ہے۔

پس اگر سبب اور اس کے مسبب کے درمیان تعلق قطعی ہو اور جو کہ ایسا ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا لازماً ان کے نتائج تک پہنچادے گا۔ یعنی، "نصرۃ" کے اسباب اختیار کر لینا لازماً "نصرۃ" تک پہنچائے گا، تو کیا یہ بات درست ہے؟ اور اگر "نصرۃ" کے اسباب اُن کے ہاتھ میں ہوں جو اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نتائج بھی اُنہی کے ہاتھ میں ہیں، تو کیا یہ بات درست ہے؟ یہی سوالات اس تحقیق کی بنیاد ہیں۔

اور اس بحث کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جب یہ بات طے ہو جائے کہ نصرۃ اور اس کے اسباب کے درمیان تعلق قطعی ہے، تو اس حقیقت اور اُن شرعی نصوص کے درمیان تطبیق کی جائے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نصرۃ صرف اللہ کی طرف سے ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ **"اور (یہ بات تو واضح ہے کہ) مدد اور فتح و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست ہے اور بڑی حکمت والا ہے"** (سورۃ آل عمران؛3:126)

اور مزید فرمایا: ﴿إِن يَنْصُركُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكم مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُون﴾ **"اگر اللہ تمہاری مدد کرے۔ تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد نہ کرے) تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اہل ایمان کو صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے"** (سورۃ آل عمران؛ 3:160) اور مزید فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ **"اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"** (سورۃ محمد؛47:7)۔

یہ وہ معاملہ ہے جس میں بعض غور کرنے والے تعارض محسوس کرتے ہیں، اور جو اس حقیقت کے بارے میں شک و شبہ پیدا کرتا ہے یا کم از کم سوالات کو جنم دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا نصرۃ کا حصول مادی قانونِ سببیت کے تحت صرف اسباب پر ہی موقوف ہے؟ یا پھر یہ صرف اللہ کی طرف سے ہے، خواہ اسباب اختیار کئے گئے ہوں یا نہ کئے گئے ہوں؟ یعنی کیا اس بات میں تضاد ہے کہ نصرۃ کے مادی اسباب ہیں اور اگر ان کو صحیح طور پر اختیار کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر نصرۃ ہی ہو گا، اور اس بات میں کہ کیا نصرۃ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے؟ کیا یہ کہنا کہ اگر اسباب اختیار کر لئے جائیں تو نصرۃ ناگزیر ہے اور ہمیشہ حاصل ہوتی ہے، تو یہ حقیقت ان نصوص سے متصادم ہے جو نصرۃ کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہیں؟ کیا یہ کہنا کہ نصرۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہے اور وہ جسے چاہے دیتا ہے، چاہے اسباب اختیار کیے جائیں یا نہ کیے جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تیاری کرنا محض ایک شرعی، رسمی حکم ہے جس کا نصرۃ پر کوئی مثبت یا منفی اثر نہیں، اور یہ مادی قانونِ سببیت کے منافی ہے؟ یوں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ظاہری مسئلہ آخر کیا ہے اور یہ کس طرح سوالات کو جنم دیتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ سبب اور مسبب کا تعلق ایک قطعی عقلی حقیقت ہے، جبکہ شرعی نصوص کا یہ بیان کہ نصرۃ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ بھی ایک قطعی حقیقت ہے، اور دو قطعی حقائق میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ تو پھر اس کی وضاحت کیا ہے؟ یہ مسئلہ کس طرح حل کیا جا سکتا ہے، یعنی ان دونوں حقائق کے درمیان تضاد کو کس طرح ختم کیا جائے، اور ان کی باہمی مطابقت کس طرح واضح کی جائے؟

توسب سے پہلے جواب یہ ہے کہ سچائی نہ تو آپس میں ٹکراتی ہے اور نہ ہی متصادم ہوتی ہے، چاہے وہ بذاتِ خود عقلی سچ ہوں، یا بذاتِ خود شرعی سچائی، یا پھر شرعی اور عقلی دونوں ہوں۔ یہ سب حقیقت ہی ہیں۔ اگر ان کے درمیان کوئی بظاہر ٹکراؤ نظر آئے، تو وہ حقیقی نہیں ہوتا بلکہ ایک غلط فہمی ہوتی ہے، جسے علم، غور و فکر اور باریک بینی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اسے حقیقی نہیں بلکہ "ظاہری تعارض" کہا جاتا ہے۔

لہٰذا، قانونِ سببیت یا اسباب اور ان کے نتائج کے درمیان قطعی تعلق، اور یہ حقیقت کہ نصرۃ صرف اللہ کی طرف سے ہے، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر سبب مکمل طور پر واقع ہو جائے تو مسبب یا نتیجے کا حصول لازمی ہے۔ یہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور اسی کا حکم دیا ہے۔ اگر ہمیں یہ نظر آئے کہ نتیجہ ظاہر نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قانون ٹوٹ گیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سبب یا تو سرے سے واقع نہیں ہوا، یا پھر مکمل طور پر واقع نہیں ہوا۔ کبھی غلطی اس وجہ سے ہو سکتی ہے کہ فاعل یعنی عمل کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جو وہ کر رہا ہے وہ ایک سبب ہے، حالانکہ وہ سبب نہیں ہوتا۔ یا پھر حالات و واقعات اس سبب کو ختم یا روک دیتے ہیں اور اس میں رکاوٹ بنتے ہیں، اور یہ اکثر ہی ہوتا ہے۔ یا اسباب کو اختیار کرنے میں کمی اور نقص رہ جاتا ہے، جس کی وجہ سے نتیجہ یقینی کے بجائے محض ممکن ہو جاتا ہے۔ نتیجے کے ممکن ہونے کی قوت اس بات کے متناسب ہوتی ہے کہ اسباب کس حد تک اختیار کئے گئے۔ یہ معاملہ ہمیشہ رہتا ہے، کیونکہ کوئی شخص، چاہے وہ کتنا ہی عالم یا اہم کیوں نہ ہو، اسباب کو مکمل طور پر اختیار نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وہ ان سب کو پوری طرح جان ہی نہیں سکتا، اور جو کچھ وہ جانتا ہے اسے بھی مکمل طور پر عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ اس پر مزید یہ کہ وہ ان نئے واقعات اور تبدیلیوں سے بھی لاعلم ہوتا ہے جو پیش آ سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسباب کو مکمل طور پر اختیار کرنا ناممکن ہے۔

لہٰذا کسی نتیجے کے حاصل نہ ہونے میں جو غلطی یا کمی واقع ہوتی ہے، وہ اس قانون میں نقص کی وجہ سے نہیں ہوتی جو اسباب کو ان کے نتائج سے جوڑتا ہے، بلکہ یہ اسباب کو اختیار کرنے میں کمی اور نقص کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ کمی، اور اس کے ساتھ وہ اسباب جو انسان کے ادراک یا اس کی قدرت سے باہر ہیں، نتائج کو غیر یقینی بنا دیتی ہے۔ اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ نتائج صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اور انسان کے ہاتھ میں نہیں، چاہے وہ کتنے ہی اسباب اختیار کر لے۔ انسان کوشش کرتا ہے کہ ایسے اسباب اختیار کرے جن

کے بارے میں اسے گمان ہوتا ہے کہ وہ مطلوبہ نتیجے تک پہنچا دیں گے۔ اور جب وہ ایسا کرتا ہے، تو بھی وہ صرف اتنے ہی اسباب اختیار کر سکتا ہے جتنے وہ دیکھ اور سمجھ سکتا ہے، اور جتنے اسباب پر وہ اپنی استطاعت کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔ چونکہ انسان کی بصیرت محدود اور ناقص ہے، اور اس کی قدرت بھی محدود اور ناقص ہے، اسی لئے نتیجے یا مقصد کا حاصل ہونا اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے اختیار میں ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ: "بہت سے اعمال میں دیکھا جاتا ہے کہ نتائج فوراً حاصل ہو جاتے ہیں، چاہے وہ عمل سادہ ہو، جیسے کسی دیوار کو گرا دینا یا قتل، یا پھر پیچیدہ ہوں، جیسے ایسے کام جن میں کئی مراحل اور اقدامات ہوں، مثلاً جدید اور ترقی یافتہ صنعتیں"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جتنا مقصود کے اسباب قریب اور غیر پیچیدہ ہوں، یا مطلوبہ نتیجے کے اسباب قریب اور آسان فہم ہوں، اور ان اسباب کو اختیار کرنا جتنا زیادہ ممکن اور قابلِ حصول ہو، اتنا ہی نتیجہ زیادہ حاصل ہونے کے قریب ہو جاتا ہے۔ تاہم، نتیجہ پھر بھی مکمل درجے تک نہیں پہنچتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ایسا ہوتا ہے جو انسانی فہم اور قدرت سے باہر ہوتا ہے۔ مزید برآں، کچھ رکاوٹیں یا مانع پیش آسکتے ہیں جو اسباب کو مکمل طور پر اختیار کرنے میں حائل ہو جاتے ہیں، جیسے بھول جانا، موت آجانا، مخالفانہ اقدامات، یا قدرتی آفات جیسے زلزلہ، طوفان، یا وبائی امراض وغیرہ۔ چنانچہ، اگرچہ اسباب کو اختیار کرنا نتیجے تک پہنچاتا ہے، لیکن کوئی انسان، چاہے اس کے پاس کتنا ہی علم اور طاقت کیوں نہ ہو، اور خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، اسباب کو سو فیصد مکمل طور پر اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مزید واضح ہو جاتا ہے: ﴿**إِنّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ**﴾ "**بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں**" (سورۃ الرعد: 11)

یہ شرعی نص اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو کسی قوم کی حالت اور کیفیت کو بدلتا ہے۔ یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ اس وقت تک ان کی حالت نہیں بدلے گا جب تک وہ خود اپنی اندرونی حالت کو نہ بدلیں۔ یہ نکتہ بھی غور طلب ہے، کیونکہ اگر وہ اپنی اندرونی حالت کو بدل لیں تو وہ خود بدل چکے ہیں اور تبدیلی واقع ہو چکی ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ وہ اس کے بعد ان کی حالت بدلے گا؟ اس کا جواب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا کہ تبدیلی کے ایسے اسباب ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں، اور ایسے بھی ہیں جو اس کی سمجھ اور قدرت سے باہر ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی اندرونی حالت کو بدلے، کیونکہ یہ اس کے اختیار میں ہے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ وہ تبدیلی لے آئے گا جو اس کے اختیار سے باہر ہے، اور یوں مطلوبہ تبدیلی مکمل طور پر واقع ہو جائے گی۔

جنگ میں فتح و نصرت کی مثال لیں تو اوپر بیان کی گئی بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ فتح و نصرت ایک مطلوبہ نتیجہ ہے، جو جنگ کے اسباب، جیسے تیاری، منصوبہ بندی، جنگ اور دیگر اقدامات کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ فتح و نصرت کے اسباب اختیار کرنا اسے حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے۔ تاہم، خواہ کتنی ہی فکری، مادی اور عسکری طاقت یا تجزیہ اور منصوبہ بندی کی صلاحیت موجود ہو، اسباب اختیار کرنے

والے نصرت کے تمام اسباب یا حتیٰ کہ اس کے اصل سبب کو بھی کبھی مکمل طور پر نہیں جان سکتے۔ اور تیاری ہمیشہ ادھوری ہی رہے گی۔ اس پر مزید یہ کہ دشمن بھی منصوبہ بندی کرتا ہے اور اسباب اختیار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہنگامی حالات بھی ہوتے ہیں جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسے کسی خلل کا پیدا ہونا، غداری، بغاوت، قتل و غارت گری، قائدین کی موت، بیماریوں کا پھیلاؤ، قدرتی آفات وغیرہ۔ یہ حقیقی زندگی کی مثالیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ فتح و نصرت کے اسباب کو مکمل طور پر جاننا ممکن نہیں، اور اختیار کیے گئے اسباب کو انسانی یا قدرتی عوامل بھی بگاڑ سکتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محسوس ومادی حقائق بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ نتائج اور مقاصد، بشمول نصرت، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ اس طرح، اوپر ذکر کیا گیا مبینہ تضاد تطبیق کے ذریعے حل ہو جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ محض ایک ظاہری اور وہمی تضاد تھا، حقیقی نہیں۔

اس موضوع سے متعلق دیگر مسائل بھی ہیں، مثلاً یہ حقیقت کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ اگر کفار، کفار پر یا مسلمانوں پر غالب آ جائیں، تو کیا یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو انہیں فتح و نصرت دیتا ہے؟ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو فتح و نصرت سے نوازنا اس بات پر مشروط ہے کہ وہ اس کی مدد کریں، اور اگر وہ اس کی مدد کریں تو وہ انہیں فتح و نصرت سے نواز دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اس کی عبادت اور اطاعت کریں۔ کیا اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اس کی نافرمانی کریں تو وہ انہیں فتح و نصرت سے نہیں نوازے گا؟ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، ہمارے ہاتھ میں نہیں، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ، اور وہ جن پر شرعی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، شکست یا اپنے مقاصد میں ناکامی پر ذمہ دار نہیں ٹھہرتے؟ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ "فتح تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے، بے شک اللہ زبردست، حکمت والا ہے" (سورۃ الأنفال:10)

فتح ونصرۃ کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، اور یہ اصول تمام فتوحات پر لاگو ہوتا ہے، چاہے وہ اہل ایمان کے لئے ہوں یا کفار کے لئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اس کی مرضی کے تابع لوگوں کو بھی فتح دیتا ہے، اور کفار کو بھی، جو نہ مومن ہیں، نہ عبادت گزار اور نہ ہی فرمانبردار۔ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر نافرمانوں، کفار اور ان جیسے لوگوں کی فتح و نصرت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تو کیا یہ ان آیات کے خلاف نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل ایمان کا ایمان اور اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا، اللہ کی طرف سے فتح ونصرۃ پانے کی شرط ہے؟ ان قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شامل ہے: **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"** (سورۃ محمد:47:7) اور اللہ کا یہ بھی فرمان: **﴿إِن يَنْصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكم مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ "اگر اللہ تمہاری مدد**

کرے۔ تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (مدد نہ کرے) تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اہل ایمان کو صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے" (سورۃ آل عمران؛ 3:160) اور اللہ کا یہ بھی فرمان شامل ہے: ﴿وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ "اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی" (سورہ الروم: 47) اور یہ بات بھی معروف ہے کہ 'الشرطُ یلزمُ مِن عَدمِہ العدم' "شرط کے عدم ہونے سے مشروط کا عدم لازم آتا ہے" (یعنی اگر شرط پوری نہ ہو، تو جس چیز کی وہ شرط ہے، وہ بھی حاصل نہیں ہو گی)۔ تو کیا اس بات میں تضاد نہیں کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ گنہگاروں اور کافروں کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے، اور دوسری طرف ایمان اور اطاعت کو اللہ کی فتح و نصرت پانے کی شرط قرار دیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے ان نصوص میں بالکل بھی کوئی تضاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾ "فتح تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے" (سورۃ الأنفال: 10)

یہ ہر قسم کی فتح و نصرت کے بارے میں عمومی معنی میں ہے، چاہے وہ کفار کے لئے ہو یا مؤمنین کے لئے۔ اس عام دلیل کے علاوہ، اس کی عمومیت کی تصدیق کرنے والی ایک خاص دلیل بھی موجود ہے۔ یہ دلیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے رومیوں کی فارس والوں پر فتح کی تائید ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ رومی غالب آئیں گے، اور یہ ان پر اللہ کی مدد کی وجہ سے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُون * بِنَصْرِ اللهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اُس روز مومن خوش ہو جائیں گے۔ (یعنی) اللہ کی نصرت سے، اللہ جسے چاہتا ہے نصرت عطا فرماتا ہے اور وہ غالب ہے (اور) بڑا رحم کرنے والا ہے" (سورۃ الروم: 4-5) اور ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ رومی کافر تھے، یعنی ان میں ایمان اور اطاعت کی شرط موجود نہیں تھی، اس لئے یہ بات ثابت ہے۔ اسی طرح نصوص اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد مؤمنین کے لئے اس وقت آتی ہے جب وہ اللہ کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ "اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا" (سورۃ محمد؛ 47:7) یہ قطعی دلیل ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نافرمانی اللہ تعالیٰ کی مدد کے امکان کو ختم کر دیتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ شرط خود فتح کے وقوع ہونے کی شرط نہیں ہے، بلکہ یہ شرط مؤمنین کے لئے اللہ کی مدد کے یقینی اور حتمی ہونے کی ہے، کیونکہ وہ اس کی مدد کے مستحق ہوتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ مؤمنین کا ایمان اور اس کی مدد کرنا (دین کی نصرۃ) اس کے لئے لازم کرتا ہے کہ وہ ان کو اپنی مدد عطا کرے۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک وعدہ ہے یا ایک عہد ہے جو اس نے اپنے اوپر مؤمنین کے لئے فضل کے طور پر مقرر فرما دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللهِ﴾ "اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے، تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ، اور یہ بڑی کامیابی ہے" (سورۃ التوبہ: 111) اور جیسا کہ اس

نے فرمایا: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ **"تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کولازم کرلیاہے"**(سورۃ الانعام:54)
اسی طرح یہ معاملہ نصرۃ میں بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے: ﴿وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ **"یقیناً ہم پرلازم ہے کہ ہم مؤمنین کی مدد کریں"**(سورۃ الروم:47) یہ اللہ تعالیٰ پر ایک حق ہے، یعنی اس کی طرف سے ایک عہد یا وعدہ ہے جو اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ اگر تم ایسا کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ **"اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا"**(سورۃ محمد:7)
کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کی مدد کے لئے یہ شرط بذاتِ خود ضروری ہے، بلکہ یہ شرط اس عہد اور وعدے کے لئے ہے جو اللہ نے مؤمنین کے ساتھ کیا ہے کہ وہ ان کی مدد کرے گا، اور اللہ اپنے وعدے یا عہد کے خلاف نہیں کرتا۔ پس اگر ایمان یا اطاعت نہ ہو تو اللہ کی مدد کلی طور پر مفقود نہیں ہوتی، بلکہ اس کی طرف سے مدد کا وعدہ مفقود ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ چاہے تو مدد دے یا نہ دے، چاہے تو اس گروہ کو مدد دے یا دوسرے کو، اور چاہے تو کسی کو چھوڑ دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں فرمایا: ﴿يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ **"اللہ جسے چاہتا ہے نصرت عطا فرماتا ہے اور وہ غالب ہے (اور) بڑا رحم کرنے والا ہے"** (سورۃ الروم:5)

اور اگر وہ ایمان لائیں اور عہد پورا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور مدد عطا کرے گا۔

جہاں تک ناکامی، شکست یا نصرۃ کے نہ آنے کی ذمہ داری کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب نتائج ہیں۔ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ نتائج کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ انسانوں کے اختیار سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ **"اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا برے کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا"**(سورۃ البقرہ:286)
لہٰذا، کسی کام کے کرنے والوں کو نتائج پر نہیں پرکھا جا سکتا، لیکن ان سے یہ ضرور پوچھا جا سکتا ہے اور پوچھا جانا چاہیے کہ کیا انہوں نے ان اسباب کو اختیار کیا جو نتائج تک پہنچانے والے تھے، اور اس پر ان کا محاسبہ ہونا چاہیے۔ اس طرح وہ اپنی کوتاہی، غفلت یا اسباب کو اختیار کرنے میں غلطی پر جوابدہ ہوں گے۔ شریعت کی ذمہ داری نتائج حاصل کرنے پر نہیں بلکہ اسباب اختیار کرنے پر عائد ہوتی ہے۔
اسی لئے ہم شریعت میں یہ حکم نہیں پاتے کہ "اپنے لئے فتح کو یقینی بناؤ"، بلکہ قرآنِ کریم میں ہمیں یہ احکام ملتے ہیں؛ ﴿وَأَعِدُّوا﴾ **"اور تیاری کرو"** ﴿انْفِرُوا﴾ **"نکل کھڑے ہو"** ﴿قَاتِلُوا﴾ **"لڑو"** ﴿اقْتُلُوهُمْ﴾ **"انہیں قتل کرو"** ﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ **"گردنیں مارو"** ﴿فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ **"اور قیدی مضبوط باندھو"** اگر کوئی شرعی حکم نتیجے کے طور پر آیا ہو تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ نتیجہ نہیں بلکہ اس کے اسباب مطلوب ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شریعت مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے کا حکم دیتی ہے۔ لیکن محبت ایسا عمل نہیں ہے جو انسان براہِ راست اپنے ارادے سے کر سکے، یہ خرید و فروخت، لڑنا، نماز یا گفتگو کی طرح

کوئی اختیاری فعل نہیں، بلکہ یہ ایک نتیجہ ہے جو صرف اپنے اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایسے اختیاری اعمال کی رہنمائی فرمائی جو محبت پیدا کرنے کے اسباب بنتے ہیں، جیسے ایک دوسرے کو سلام کہنا اور تحائف دینا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **«لا تَدْخُلُونَ الجَنَّةَ حتَّى تُؤْمِنُوا، ولا تُؤْمِنُوا حتَّى تَحابُّوا، أوَلا أدُلُّكُمْ علَى شيءٍ إذا فَعَلْتُمُوهُ تَحابَبْتُمْ؟ أفْشُوا السَّلامَ بيْنَكُمْ» "تم جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور ایمان نہ لاؤ گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اسے کرو تو تم میں محبت پیدا ہو جائے؟ آپس میں سلام کو عام کرو"۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، اور یہاں مسلم کے الفاظ ہیں، جبکہ بخاری نے روایت کیا: «تَهَادُوا تَحَابُّوا» "تحائف دو، محبت پیدا ہوگی"۔**

جہاں تک ذمہ داری اور جوابدہی کے معاملے کا تعلق ہے، اور یہ کہ یہ نتائج پر نہیں بلکہ اسباب اختیار کرنے پر مبنی ہوتی ہے، تو میں مختصر طور پر کچھ واقعات بیان کرتا ہوں جو نبی ﷺ کے ساتھ پیش آئے، اور ان پر غور کرنے سے اوپر بیان کردہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ ان واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو غزوۂ اُحد میں شکست ہوئی، حالانکہ قیادت نبی ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ آپ ﷺ کو اس نتیجے پر نہ تو جوابدہ ٹھہرایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوتاہی کا الزام دیا جا سکتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ معصوم تھے اور آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔

اسی طرح یہ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی استطاعت کے مطابق ضروری اسباب اختیار کیے۔ یہی بات غزوۂ حنین کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے، جہاں مسلمان ابتدا میں شکست سے دوچار ہوئے، پھر فتح حاصل ہوئی۔ غزوۂ بدر کے بارے میں، آپ ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لئے ایک جگہ منتخب کی تھی، اور یہ بھی ضروری اسباب اختیار کرنے میں شامل تھا۔ تاہم حُباب بن مُنذرؓ نے آپ سے بحث کی کہ اس سے بہتر جگہ موجود ہے جو فتح حاصل کرنے میں زیادہ معاون ہوگی، تو آپ ﷺ نے ان کی رائے قبول کی اور اپنی جگہ تبدیل کر لی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب اختیار کرنے میں کمی اور غلطی کا امکان ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں محنت، مخلصانہ مشورہ اور محاسبہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جبکہ نتائج کے بارے میں معاملہ اس کے برعکس ہے؛ غزوۂ اُحد کی شکست پر کوئی محاسبہ نہیں ہوا، اور نہ ہی غزوۂ حنین کے آغاز میں پیش آنے والے حالات پر۔ غزوۂ خندق میں، آپ ﷺ تقریباً صلح کی طرف مائل ہو گئے تھے، حالانکہ آپ ﷺ نے خندق کھودی اور اپنی استطاعت کے مطابق پوری تیاری کی تھی۔ یہ صلح ایک ایسا سبب تھا جو آپ ﷺ کے اختیار میں تھا، اور جسے آپ ﷺ ممکنہ شکست کو روکنے کے لئے اختیار کرنا چاہتے تھے جو آپ کے قابو سے باہر تھی۔ تاہم صحابہؓ نے اس سبب کے بارے میں آپ سے بحث کی، تو آپ ﷺ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

مندرجہ بالا مثالیں بے شمار ہیں، اور یہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ لوگوں کا ضروری اسباب کو اختیار کرنا قطعی نتائج کے حصول کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ یہ اس بات کو بھی ظاہر کرتی ہیں کہ نتائج کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اور محاسبہ

نتائج پر نہیں بلکہ اسباب کے اختیار کرنے پر ہوتا ہے۔ یہ مثالیں یہ بھی دکھاتی ہیں کہ چونکہ اسباب کا اختیار کرنا مکمل نہیں ہوتا، بلکہ یہ کم علمی اور غلط اندازوں سے متاثر ہوتا ہے، رکاوٹوں سے گھرا ہوتا ہے اور ناکامی کا باعث بن سکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر رکاوٹ، غلطی یا کمی کو دور کرنے کے لئے اسباب کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

فہرست

یورپ کی خود مختاری کے امکانات اور اس میں حائل ہونے والی مشکلات

تحریر–استاذ اسعد منصور

یورپی کمیشن کی صدر، اُرسلا فان ڈیر لیئن (Ursula von der Leyen) نے 10 ستمبر 2025ء کو فرانس کے شہر اسٹراسبرگ (Strasbourg) میں یورپی پارلیمنٹ کے سامنے اپنے اسٹیٹ آف یونین خطاب میں کہا: "طاقت پر مبنی ایک نئے عالمی نظام کے لئے محاذ آرائی کی لکیریں اس وقت کھینچی جا رہی ہیں۔ لہٰذا، جی ہاں یورپ کو اپنے مقام کی خاطر لڑنا ہو گا، ایک ایسی دنیا میں جہاں بہت سی بڑی طاقتیں یورپ کی مخالفت میں تذبذب کا شکار ہیں یا پھر کھلے عام اس سے دشمنی رکھتی ہیں... یہ لمحہ یورپ کی آزادی کا لمحہ ہونا چاہئے... اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ کا مشرقی حصہ پورے یورپ کو بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ اسود تک محفوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں مشرقی محاذ کے ذریعے اس کی مدد کرنے کے لئے سرمایہ کاری کرنی ہو گی... یورپ اپنی سرزمین کے ہر انچ کا دفاع کرے گا"۔

یہ بیانات اس کے بعد آئے جب اُرسلا فان ڈیر لیئن نے 19 مارچ 2025ء کو "یورپی دفاعی تیاری-2030ء کے لئے وائٹ پیپر" پیش کیا، جس میں یورپ کے دفاع کے ایک منصوبے کا خاکہ بیان کیا گیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے: "تدریجی عمل درآمد کی توقعات کی بنیاد پر، دفاعی سرمایہ کاری آئندہ چار سالوں میں کم از کم 800 ارب یورو تک پہنچ سکتی ہے، جس میں SAFE (Security Action for Europe) کے 150 ارب یورو بھی شامل ہیں، جو قومی اسکیپ شقوں (national escape clauses) کے تحت خودکار طور پر اس سرمایہ کاری کے لئے قابلِ عمل ہوں گے"۔ (صفحہ 16)۔ رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ "روس میدان جنگ میں ایک بڑا اسٹریٹجک خطرہ ہے۔ اس نے یورپ اور ہمارے پارٹنرز کو یورپی براعظم میں بڑے پیمانے پر اس مشینی جنگ کی ایسی شدید نوعیت کی حقیقت کا سامنا کرنے پر مجبور کیا ہے، جو 1945ء کے بعد سے نہیں دیکھی گئی" (صفحہ 4)۔ مزید یہ کہ رپورٹ مطالبہ کرتی ہے: "کثیر صلاحیت اور وسیع پیمانے کے حامل اسلحہ خانے کی فراہمی، جس کا کم از کم ہدف دو ملین راؤنڈ سالانہ ہے۔ یوکرین کو 2025ء کے دوران گولہ بارود کی ترسیل کو مکمل طور پر فنڈ کرنے کی ایک فوری، قلیل مدتی ضرورت ہے، جس میں ذخائر سے محرک عطیات اور فراہمی بھی شامل ہے"۔ (صفحہ 10)

یہ بیانات اور مؤقف اُس وقت سامنے آئے جب امریکہ نے اعلان کیا کہ وہ یورپ کے ساتھ اپنے سکیورٹی معاہدوں کی ذمہ داریوں سے دستبردار ہو جائے گا۔ اس کے بعد یورپ نے اپنی فوجی صنعت کو فروغ دینے اور امریکہ سے اپنی خود مختاری کے حصول پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اور اسی وجہ سے یورپ اپنی خود مختاری کو مضبوط کرنے کے لئے چین کے ساتھ تعلقات بڑھانے اور روس کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کر رہا ہے، لیکن امریکہ اس کو روکنے کی کوشش میں ہے۔

اسی مقصد کے لئے اپریل 2023ء میں فرانسیسی صدر میکرون نے اُرسلا فان ڈیر لیئن کے ہمراہ چین کا دورہ کیا۔ اس وقت امریکہ کے لیڈروں نے میکرون پر تنقید کرنا شروع کر دی کہ "وہ چین کے آگے جھک رہا ہے" اور کہا کہ "اس کا یہ دورہ امریکہ کی ان کوششوں کو نقصان پہنچا رہا ہے جو چین کے اثر ورسوخ کو محدود کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں"۔ اس پر میکرون نے اپنے اور یورپی مؤقف کا دفاع کرتے ہوئے امریکہ کے آگے جھکنے کو مسترد کر دیا اور کہا: "حلیف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم (امریکہ کے) محکوم بن جائیں... اور نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہمیں اپنی سوچ رکھنے کا حق نہ ہو"۔

تاہم، اس خود مختاری کو حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ کے درمیان تجارتی تبادلے کا حجم سالانہ 1.2 کھرب ڈالر ہے، جو چین کے ساتھ یورپ کی تجارت کے حجم سے چار گنا زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ، یورپ میں امریکی سرمایہ کاری، خواہ مالیاتی ہو یا منصوبوں کی شکل میں، تقریباً 2.3 کھرب ڈالر تک پہنچتی ہے۔ لہٰذا، امریکہ کی یورپ پر معاشی بالادستی نے اسے اقتصادی، سیاسی اور میڈیا کے حلقوں میں بھی سرایت کرنے کا موقع دے رکھا ہے۔ اسی وجہ سے یورپ کے لئے امریکہ کے اس غلبے سے چھٹکارا پانا اتنا آسان نہیں ہے۔

اسی طرح، امریکہ نے یورپ اور اس کے ساحلوں پر تقریباً 1 لاکھ فوجی، 150 جنگی طیارے، 140 بحری جہاز، جوہری ہتھیار ذخیرہ کرنے کے لئے 3 اڈے، اور 100 ایٹمی میزائل تعینات کر رکھے ہیں۔ یورپ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے ہی امریکہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اپنے دفاع کے لئے امریکہ پر انحصار کرتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی کوششوں کے باوجود وہ کوئی مشترکہ دفاعی پالیسی اور آزاد فوج قائم نہیں کر سکا، اور اب تک نیٹو ہی مشترکہ دفاعی پالیسی ہے۔ تاہم اب یہ خطرے میں ہے، کیونکہ امریکہ یورپ کا دفاع کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اور اب اس کا نعرہ یہ ہے کہ "سب سے پہلے، امریکہ"۔ اور یوکرین کی جنگ اس کی واضح مثال ہے۔

اگر نیٹو کے کسی رکن ملک پر حملہ ہوتا ہے اور امریکہ اس کا دفاع نہیں کرتا، تو اتحاد کے بکھرنے کا خدشہ ہے۔ 7 نومبر 2019ء کو میکرون نے اکانومسٹ کے ساتھ ایک انٹرویو میں بات کرتے ہوئے کہا تھا: "جو کچھ ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں، وہ نیٹو کی دماغی موت (brain death) ہے"، اور اس نے اس بات پر زور دیا کہ نیٹو پر اعتماد کچھ زیادہ نہیں رہا ہے۔

چنانچہ یورپ موجودہ حالات میں، جبکہ روس کے ساتھ جنگ جاری ہے، ان سب چیزوں سے اتنی جلدی خلاصی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور اس کے لیے چار سال سے کہیں زیادہ وقت درکار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپی اتحاد میں 27 ممالک شامل ہیں جو نہ تو ایک جیسے ہیں اور نہ ہم آہنگ؛ بلکہ ان میں سے بعض ایک دوسرے سے الجھتے رہتے ہیں۔ ہر ملک سب سے پہلے اپنی مفاد پر نظر رکھتا ہے، پھر اپنی قومیت سے وابستہ رہتا ہے، اور اس ملک کے لئے یورپی یونین کا مقام تیسرے درجہ پر آتا ہے۔ ان سب کے اپنے داخلی، اقتصادی اور سیاسی مسائل بھی ہیں۔ اس لئے وہ دفاع پر زیادہ خرچ کرنے کو بھی تیار نہیں ہیں، حتیٰ کہ مالیاتی طور پر زائد سرمایہ رکھنے والے ممالک، جیسا کہ

ناروے بھی ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ یوں خود غرضی ہر ملک پر غالب ہے، کیونکہ بہرحال وہ سرمایہ داریت پر مبنی ہی ہیں جو کہ فائدے کو اپنی سوچ کی بنیاد اور اپنے عمل کا پیمانہ بناتے ہیں۔

پس یہ سب عوامل اس بات میں رکاوٹ بنتے ہیں کہ یورپ کسی ایک فیصلے پر متحد ہو سکے اور پھر فی الوقت امریکہ سے اپنی خود مختاری حاصل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ ہر ایک یورپی ملک کو الگ الگ طریقے سے یا تو لالچ دے کر، یا دھوکہ دے کر، یا دھمکا کر اپنے قابو میں رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ یورپ کے ہر ملک میں قوم پرست انتہا پسند جماعتیں بھی موجود ہیں جو یورپی اتحاد کے خلاف ہیں اور اس سے علیحدگی چاہتی ہیں، اور امریکہ ان کو شہ دیتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اٹلی میں جب سے دائیں بازو کی جماعتوں کا اتحاد وزیر اعظم میلونی کی قیادت میں برسرِ اقتدار آیا ہے، وہ یورپ کے امریکہ سے الگ ہونے کے موقف کے خلاف کھڑا ہے اور خاص طور پر فرانس سے ٹکرا رہا ہے۔ اسی طرح ہنگری اور چیک جمہوریہ بھی ہیں۔

جرمنی نے 2022ء میں اپنی مخصوص نئی سکیورٹی حکمتِ عملی تیار کی ہے اور فوجی صنعت کو ترقی دینے کے لئے 100 ارب یورو مختص کیے ہیں۔ درحقیقت حالیہ عرصے میں جرمنی نے اسلحہ سازی کی کمپنیوں کی حمایت شروع کر دی ہے اور انہیں معیاری قسم کا اسلحہ تیار کرنے پر بھی زور دیا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ تمام سویلین فیکٹریوں سے رابطہ کر رہا ہے تاکہ انہیں فوجی مصنوعات کی تیاری کے لئے تیار کیا جا سکے۔ نیز وہ نوجوانوں پر لازمی فوجی بھرتی عائد کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور جنگی بجٹ بڑھانے کے لئے انسانی امداد میں کٹوتی پر بھی کام کر رہا ہے۔ اور اگست 2024ء میں جرمنی نے روسی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے لیتھوینیا شہر میں پہلا مستقل فوجی اڈہ قائم کرنے کا اعلان کیا جس میں تقریباً 4,800 فوجی اور 2,000 فوجی گاڑیاں تعینات کی جائیں گی، اور اس سے بالٹک ریاستوں کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

چنانچہ موجودہ حالات یورپ کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ خود اپنے آپ پر انحصار کرے، اپنی طاقت کو مضبوط بنائے، اور اپنی یکجہتی اور خود مختاری حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ تاہم، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، ان چیلنجز پر قابو پانا اتنا آسان نہیں ہے اور نہ ہی قلیل مدت میں ممکن ہے، بلکہ شاید یہ درمیانی مدت میں یعنی چار سال سے زیادہ وقت میں حاصل کیا جا سکے۔

ماضی میں بھی ایسا ہوا ہے کہ یورپی اقوام اُس بیرونی طاقت کے خلاف متحد ہوئیں جو انہیں خطرہ دیتی تھی، جیسا کہ خلافتِ عثمانیہ کے دور میں اسلامی فتوحات کے مقابلے میں ہوا۔ اسی طرح وہ سوویت یونین کے خلاف بھی متحد ہوئے، لیکن امریکہ نے ان پر کنٹرول حاصل کر لیا، ان پر اپنی قیادت مسلط کی اور انہیں اپنا محتاج بنا دیا۔ چنانچہ امریکہ سے مدد طلب کرنا ان کے لئے سیاسی خودکشی ثابت ہوا اور وہ اس کے شکار بن گئے، جن سے وہ آج تک چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔ یکجہتی سے ہماری مراد یہ نہیں کہ وہ ایک ریاست بن گئے اور بہرحال ایسا ہونا مشکل ہے کیونکہ ان کا اتحاد کمزور اور ناپائیدار رہا ہے۔

بلکہ اتحاد سے مراد یہ ہے کہ وہ بیرونی طاقت کے مقابلے میں یکجا ہوں جو سب کو خطرہ پہنچا رہی ہے، جیسا کہ اس وقت روس ہے۔ اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ یونین کے اندر موجود دو بڑی فوجی و معاشی طاقتوں، جرمنی اور فرانس، پر انحصار کیا جائے، اور یونین کے باہر برطانیہ کی حمایت حاصل کی جائے، جو روس اور امریکہ دونوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مجبوراً اس تعاون پر آمادہ ہو گا۔ لیکن یہ سب کرنا خطرات سے خالی نہیں، کیونکہ یہ تینوں یورپی طاقتیں، برطانیہ، فرانس اور جرمنی ایک دوسرے کی مطیع نہیں ہیں بلکہ ہر ایک یہ کوشش کرتی ہے کہ حالات سے فائدہ اٹھا کر منظرنامے پر حاوی ہو جائے۔ یوں اس طرح ان کا اتحاد اپنے اندر ہی باہمی مقابلے اور مستقبل کے تصادم کے بیج سموئے ہوئے ہے، خصوصاً اس وقت کے بعد جب بیرونی قوت کو شکست دے دی جائے گی یا اس کا خطرہ ختم ہو جائے گا۔

خلافت کے قیام کے لئے سرگرم باشعور سیاسی کارکنوں پر لازم ہے کہ وہ بین الاقوامی حالات کا بغور مشاہدہ کریں اور مغربی حلیفوں کے مؤقف میں تضادات کو نوٹ کرتے رہیں، اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، تاکہ وہ اپنی امت سے ان کے شر کو دور کر سکیں اور خیر اور رہنمائی والی اپنی ریاست قائم کریں اور پھر اسلام کو یورپ اور دوسروں تک پہنچا سکیں۔

فہرست

مصنوعی ذہانت کے دور میں "ہدایت یافتہ مفتی" کی تخلیق کرنا ایسا فقہ بنانے کی کوشش ہے جو مغرب اور اس کے ایجنٹ حکمرانوں کے مطابق ہو!

ولایہ مصر میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

اسلامی امت اس وقت جس سیاسی اور فکری انحطاط کا شکار ہے، اور ایسے دور میں جب اس کے دین اور اس کے احکام کے خلاف سازشیں زوروں پر اور ایک کے بعد ایک کر کے کی جا رہی ہیں، انہی حالات میں حکمران اور ان کے آلہ کار سرکاری مذہبی ادارے ایسی کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں جو گونجتے نعروں اور پرکشش تکنیکی اصطلاحات سے مزین ہوتی ہیں، تاکہ اپنے دین بگاڑنے کے منصوبے پر "جدت" اور "ترقی" کا ملمع چڑھا سکیں۔ انہی میں سے ایک ہے "مصنوعی ذہانت کے دور میں ہدایت یافتہ مفتی کی تخلیق" کے عنوان سے وہ کانفرنس جو براہِ راست مصر کے صدر، عبد الفتاح السیسی کی سرپرستی میں مصر کی دار الافتاء منعقد کر رہی ہے۔

یہ عنوان بظاہر یہ تاثر دیتا ہے کہ "ہدایت یافتہ مفتی" سے مراد وہ شخص ہے کہ گہری شرعی بصیرت، تقویٰ اور نصوصِ شریعت کی پابندی اس کا خاصہ ہو، اور یہ کہ مصنوعی ذہانت محض اس کی معاونت کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن دراصل یہاں "ہدایت یافتہ" کا مطلب صرف وہ شخص ہے جو حکمران کا فرمانبردار ہو، اس کے ایجنڈے کے تابع ہو، اور ایسے فتوے دے جو اس کی پالیسیوں کے مطابق ہوں اور مغرب کے آقاؤں کے مفادات کو پورا کریں۔

مصنوعی ذہانت کا یہ دور اسلام کی خدمت کے لیے ٹیکنالوجی کے استعمال کا نہیں، بلکہ فتاویٰ کو ایک مخصوص دائرے میں قید کرنے، ان پر کنٹرول قائم کرنے اور ایسے ہر درست دینی موقف کو ختم کرنے کے لیے ہے جو حکومت کی مرضی کے خلاف ہو یا اس کی غداری کو بے نقاب کرتا ہو۔

یہ کانفرنس ایسے وقت میں منعقد کی جا رہی ہے جب مسلم ممالک کی حکومتوں کی پالیسیوں کے خلاف عوامی غصہ بڑھ رہا ہے، اور امت میں یہ شعور بھی پھیل رہا ہے کہ یہ حکمران اپنے بنیادی اصولوں کے ساتھ غداری کر رہے ہیں، چاہے وہ فلسطین کا مسئلہ ہو، اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ اتحاد ہو یا پھر کفر کے نظام کا نفاذ کا معاملہ ہو۔

یہ حکمران اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک مخلص شرعی فتویٰ، جو حق بیان کرتا ہو، ان کی بقا کے لیے خطرہ ہے کیونکہ ایسا فتویٰ ان کی حکمرانی کو ناجائز قرار دیتا ہے اور ان حکمرانوں کو کافر مغرب کی جمہوریت کا آلہ ہونے کو عیاں کرتا ہے۔ اسی لیے یہ لوگ "مفتی" کے منصب کی تعریف ہی کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کا ترجمان نہ رہے جو وحی پر مبنی شرعی دلائل سے اخذ کیا جاتا ہے، بلکہ ایک سرکاری ملازم بن کر رہ جائے جو حکومتی فیصلوں کے لیے جواز مہیا کرے اور نصوص کو اس انداز میں ڈھالے کہ وہ ریاست

کی پالیسیوں سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ بالفاظِ دیگر اس مفتی کا فتویٰ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں، بلکہ ان حکمرانوں کی خواہشات پر مبنی ہو جائے۔

اس کانفرنس کے پس منظر میں مصنوعی ذہانت کی ٹیکنالوجی دراصل فتاویٰ کو مرکزی سطح پر قابو میں رکھنے اور کنٹرول کرنے کا ایک آلہ ہے۔ بجائے اس کے مسلمانوں کے اپنے گھروں یا مساجد میں ایک مخلص عالم ہو کہ جس سے روزمرہ کے سوال کئے جائیں، اب مسلمانوں کو ریاست کے زیرِ نگرانی ایک "ڈیجیٹل پلیٹ فارم" کی طرف موڑا جائے گا، جہاں الگورتھم سیاسی اور سکیورٹی معیار کے مطابق تیار کیے گئے ہوں گے، اور صرف سرکاری طور پر منظور شدہ جوابات ہی فراہم کیے جائیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فتویٰ دوہری نگرانی کے تابع ہو گا: پہلی، انسانی نگرانی جو سرکاری ادارہ انجام دے گا جو کہ حاکم کے ماتحت ہے؛ اور دوسری، ٹیکنیکل نگرانی، جو کہ ایسا ہر مواد فلٹر کر دیں گے جو حکومتی پالیسی کے خلاف ہو یا ناانصافی کو بے نقاب کرے یا قابض وجود کے خلاف جہاد کی دعوت دے، یا پھر عوام کی روزمرہ زندگی میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرے۔

ان حکمرانوں کے نزدیک "دانشمند مفتی" وہ ہے جو فتاویٰ کو انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے ساتھ جوڑ دے اور عملی نفاذ میں اللہ کے حکم پر ان قوانین کو فوقیت دے۔ ایسا مفتی وہ ہے جو ہر اُس بات سے پہلو تہی کرے جو حکمران کو ناگوار گزرتی ہو یا اس کے مفادات کو نقصان پہنچاتی ہو، خواہ وہ واضح اور صریح شرعی نص ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا مفتی وہ ہے جو کفار اور قابض وجود کے ساتھ تعلقات کو مفاد اور توازن کی بنیاد پر جائز قرار دے۔ ایسا مفتی وہ ہے جو ایسے بین الاقوامی معاہدوں کو جو اسلامی قانون کے منافی ہوں، انہیں "ضروریات" یا "بین الاقوامی ذمہ داریوں" کا نام دے کر ان کی توجیہ پیش کرے۔

یہ کانفرنسیں، اپنی حقیقت کے اعتبار سے، دین کو بدلنے اور مسخ کرنے کے زمرے میں آتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد اللہ کے حکم کی تلاش نہیں ہوتا بلکہ دین کو کمزور اور مسخ کرنا، اسے حکمرانوں کے تابع بنانا اور ایسے متبادل احکام گھڑنا ہوتا ہے جو اسلامی قانون کا بھیس تو رکھتے ہیں لیکن درحقیقت خواہشات کی پیروی اور اللہ کے طریقے سے انحراف ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ**﴾ **"اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ کیجیے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"**(سورۃ المائدہ:49)۔

اللہ کے نازل کردہ احکام کے بجائے دوسرے قوانین سے فیصلے اور فتوے دینا صرف خواہشات کی پیروی کرنا ہے، حکمرانوں اور ان کے آقاؤں کو خوش کرنا ہے، اور یہ اللہ نے سختی سے منع کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ایسے فتنہ انگیز علماء کے بارے میں

خبر دار کیا جو دنیاوی فائدے کے لیے اپنا دین بیچ دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **«أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلُّونَ» "مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ خوف گمراہ کرنے والے ائمۃ کا ہے"۔**

اصولی طور پر مصنوعی ذہانت کی ٹیکنالوجی اسلامی فقہ کے لیے ایک مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے، کیونکہ یہ نصوص جمع کرنے، آرا کو ترتیب دینے اور محققین کو معلومات فراہم کرنے میں زبردست مدد دے سکتی ہے۔ لیکن جب حکومتیں اسے اپنے ماتحت اداروں کے ہاتھ میں دیتی ہیں تو یہ ایک خطرناک ہتھیار بن جاتا ہے، جو فتاویٰ کو محدود کرنے اور درست اسلامی آرا کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس تناظر میں مصنوعی ذہانت دراصل سکیورٹی اداروں کی ہی ایک توسیع بن جاتی ہے، لیکن ایک سائنسی اور ٹیکنالوجی کے پردے میں۔ اس طرح سوال کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک غیر جانبدار مشین سے بات کر رہا ہے، جبکہ حقیقت میں اسے ایک سیاسی ایجنڈے کے مطابق پروگرام کیا گیا ہوتا ہے۔

اس کانفرنس کا اصل مقصد ہرگز فتویٰ کو ترقی دینا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ:

1۔ دنیا بھر میں فتویٰ اداروں اور اتھارٹیز کے جنرل سیکریٹریٹ کے ذریعے، فتاویٰ پر عالمی سطح پر گرفت مضبوط کی جائے، تاکہ یہ دینی مؤقف کو ایسے ہم آہنگ کرے جو حکمرانوں کے مفاد کے مطابق ہو۔

2۔ ایک ایسا مخصوص اسلام پیش کرنا جو مصنوعی سیاسی سرحدوں کو تسلیم کرتا ہو، انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کرتا ہو، اور دشمنوں کے ساتھ تعلقات کو قبول کرتا ہو۔

3۔ فتاویٰ کو جائز سیاست سے الگ کر کے انہیں امت کے اہم مسائل سے دور رکھا جائے، جیسے فلسطین کی آزادی، جابرانہ حکومتوں کا خاتمہ، اور مغربی بالادستی کا انکار۔

4۔ حکمران کے فیصلوں کو شرعی جواز دینا، یہاں تک کہ ہر معاہدہ، ہر ڈیل یا اتحاد کے لیے پہلے سے تیار فتویٰ فراہم کرنا، چاہے وہ کسی قابض دشمن کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

یہ کانفرنسیں ایک دوہرا خطرہ رکھتی ہیں:

اول: مفاہیم میں گڑبڑ پیدا کرنا، جہاں حق و باطل کو "اعتدال" اور "راستبازی" کے خوبصورت نعروں کے تحت خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔

دوم: ایسے مفتیان کی نسل تیار کرنا جو حق بات کہنے کی جرات نہ رکھتے ہوں، اور اپنی ذمہ داری صرف حکمرانوں کی خواہشات کو جائز قرار دینا سمجھتے ہیں۔

سوم: اجتہاد کی روح کو ختم کرنا، کیونکہ ڈیجیٹل پلیٹ فارم محض ایک یکساں اور حتمی جواب فراہم کرے گا، جو بحث و تحقیق کے دروازے بند کر دے گا۔

لہٰذا امت پر، اس کے علما، داعیانِ حق اور نوجوانوں پر لازم ہے کہ وہ ان کانفرنسوں کو بے نقاب کریں، ان کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کریں، اور خبردار کریں کہ دین کو ایسے سرکاری اداروں سے نہ لیا جائے جو اس کے مفہوم کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح اجتہاد اور فتویٰ کو اس کی اصل پوزیشن پر واپس لانا ضروری ہے: یعنی جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا، نہ کہ اس کے تابع ہو جانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ»** "سب سے افضل جہاد جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے"۔ امت کو دیندار علماء کی ضرورت ہے، نہ کہ ایسے ملازمین یا "پلیٹ فارم" کی جو سیاست کے تانے بانے سے چلائے جائیں۔

اور ہم مسلمانوں کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ ٹیکنالوجی کی چمک دمک یا خوشنما الفاظ کے دھوکے میں نہ آئیں، کیونکہ حق کا اصل معیار صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے، نہ کہ حکومتی پلیٹ فارموں یا ان کی کانفرنسوں کا پیدا کردہ مواد۔ اور سب کو یہ جان لینا چاہیے کہ مصنوعی ذہانت، چاہے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے، کسی مؤمن کے اس دل کا متبادل نہیں ہو سکتی جو اللہ سے ڈرتا ہو، اور نہ ہی اس سچی زبان کا جو حق بیان کرتا ہے۔ فتویٰ صرف اسی وقت "ہدایت یافتہ" ہو سکتا ہے جب وہ محض اللہ کے شرع کے نفاذ پر مبنی ہو، نہ کہ حکمران کے احکامات یا اس کے تیار کردہ سافٹ ویئر پر۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **﴿إِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَناً قَلِيلاًۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ "اِن اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تم ضرور اس کتاب کو لوگوں میں پھیلانا، اور اسے چھپانا نہیں مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اُسے بیچ ڈالا کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں"** (سورۃ آل عمران: 187)

[فہرست]

بابرکت سرزمین کے معاملے کو کمزور کرنے والی کانفرنسیں ایسے وقت میں منعقد ہو رہی ہیں جب وہاں کے لوگوں کا خون بہہ رہا ہے

حزب التحریر، الأرض المبارکۃ فلسطین

غزہ میں بمباری، بچوں کے جسم جلا رہی ہے، بھوک اُن کے جسموں کو کھا رہی ہے، ٹینک لوگوں کی زندگیاں اور گھروں کو روند رہے ہیں، اور جنگی طیارے ہسپتالوں اور خیموں پر آگ برسا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں فرانس اور سعودی عرب کے کہنے پر 22 ستمبر 2025 کو نیویارک میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کانفرنس میں فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

یہ کانفرنس ایسے وقت پر ہوئی جب فلسطینیوں کا خون بہہ رہا ہے اور قتلِ عام شدت پر ہے۔ یہ کانفرنس ان ممالک نے بلائی جو دو سال سے جاری نسل کشی، بھوک اور بچوں کی ہلاکتیں دیکھتے رہے، آج تک غزہ کے لوگوں کو ایک گھونٹ پانی تک نہیں دیا۔ اب اچانک فلسطینی ریاست کی بات کرنا کیا کسی جاگنے کی علامت ہے یا فلسطینیوں کے خون اور اُن کے حق کو دفن کرنے کا ایک اور طریقہ ؟

یہ کانفرنس بھی اُن پچھلی درجنوں قراردادوں جیسی ہے جو کبھی یہودیوں کے مظالم اور حملوں کو نہیں روک سکیں۔ فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کا موجودگی موقف بھی ایسے ہی ہے جیسے فرانسیسی صدر نے کہا کہ فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے سے اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان "مفید مذاکرات" ممکن ہوں گے۔ سب جانتے ہیں کہ یہود سے مذاکرات کا کیا مطلب ہے، لیکن یہ کانفرنس اپنے اندر زہر لیے ہوئے ہے، چاہے یہ فلسطینیوں کی مظلومیت کا نقاب اوڑھے یا ان کے حقوق کے دفاع کی آڑ لے۔ فلسطینی ریاست کے اعتراف کا مسئلہ، درحقیقت فلسطین کے مسئلے کو ختم کرنے کا راستہ ہے، اور یہی بات مذکورہ کانفرنس کے بیانات نے بھی واضح کی ہے، جب اس کانفرنس نے حل کی بنیاد یہودی وجود، اس کی سلامتی اور اسی کی بقا کو قرار دیا، اور جب اس نے فلسطینیوں کے جہاد کو مذموم دہشت گردی کے طور پر پیش کیا۔ نتیجتاً مغرب کی خبیث سازش کے تحت اور اسی غاصب وجود کی خواہشات کے مطابق ایک چھوٹی سی مسخ شدہ اور خود ساختہ ریاست کی تجویز دی ہے جو ہر چیز مثلاً زمین، ہتھیار، وسائل، تحفظ اور وقار، سے محروم ہو تاکہ یہودی وجود کی حفاظت اور دائمی بقاء یقینی بنائی جاسکے۔ یہ ریاست ایک سستا اوزار ہوگا، اور فلسطین کے مسئلے کو دفن کرنے اور اس سے دستبرداری کا حقیر بدلہ ہوگا، نیز یہ ریاست وہ پل ہوگا جس کے ذریعے یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کو معمول پہ لانے کی بساط بچھائی جائے گی۔

اسی طرح، کانفرنس کے اختتامی بیان میں ایک ذلیل تجویز بھی شامل ہے جو فلسطین پر ایک نئے قبضے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس کے تحت ایک بین الاقوامی مشن بھیجا جائے گا جو امریکی کو آرڈینیٹر کے منصوبے اور یورپی پولیس کی طرز پر غزہ کے علاقے کی نگرانی کرے گا!

امریکہ چاہتا ہے کہ فلسطینی ریاست ہو بھی تو ایک غیر مسلح، کمزور سی خود مختار حکومت ہو جو صرف فلسطین کے ایک حصے کے کسی اور چھوٹے سے حصے میں ہو اور وہ بھی اسرائیلی کنٹرول میں ہو!! فلسطینی اتھارٹی یا ایجنٹ حکمران اسے جتنا مرضی "ریاست" کہیں، حقیقت یہی ہے کہ امریکہ اسے کسی خود مختار ریاست کی شکل میں قبول نہیں کرے گا، چاہے وہ فلسطین کے حصے کے بھی ایک حصے پر ہی کیوں نہ ہو؛ بلکہ امریکہ، اس کے لیے ایسی نیم خود مختاری چاہتا ہے جو دراصل ہتھیاروں کے بغیر ہو، سوائے اتنی مقدار کے ہتھیاروں کے جو مقامی پولیس کو فلسطینی عوام پر ظلم و جبر انجام دینے کے ایک آلے کے طور پر درکار ہوں، اور یہ سب کچھ بھی یہودی بالادستی اور کنٹرول میں ہو۔

یہ وقت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ وہی استعماری طاقتیں، جیسے فرانس اور برطانیہ، جنہوں نے تقریباً 80 سال پہلے یہودی وجود کو پیدا کیا، اب "دو ریاستی حل" کی بات کر رہے ہیں جو کہ دراصل یہودی وجود کو مضبوط کرنے کے مقصد سے ہے۔ ان کے ساتھ وہی غدار حکمران آواز ملا رہے ہیں، جنہوں نے 1948 اور 1967 میں فلسطین کو، اپنے ہی لوگوں کے خون میں لت پت ایک آسان نوالے کی شکل میں دشمن کے حوالے کر دیا، اور آج، جب ان حکمرانوں کے لیے اس مجرم یہودی وجود کو تسلیم کرنا ایک طے شدہ معاملہ بن چکا ہے، تو وہ فلسطینی ریاست کی شکل میں ٹکڑے مانگ رہے ہیں، اور اسے جشن مناتے ہوئے پیش کر رہے ہیں جیسے یہ کوئی فتح اور غنیمت ہو!

اے امت مسلمہ! مسجد اقصیٰ اور بابرکت سرزمین کو اردن، مصر، حجاز، ترکی یا پاکستان کے حکمران آزاد نہیں کریں گے، کیونکہ یہ سب غداری کے عادی ہو چکے ہیں۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ "دو ریاستی حل" کے ذریعے اس مسئلے کو ختم کیا جا سکتا ہے تو وہ دھوکے میں ہیں۔ فلسطین اسلام کا نگینہ ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بیتِ الحرام کے ساتھ ایک نسبت سے جوڑا۔ وہ نسبت جب اللہ نے اپنے بندے ﷺ کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کروائی۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿**سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ**﴾ **"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی۔"** (سورۃ بنی اسرائیل: آیت 01)

اسلامی عقیدہ ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس زمین کو چھوڑ دیں۔ استعماری قوتوں کے لائے گئے حل، اور ان کے بنائے گئے اصول، اور جو غدار حکمران ان کی تشہیر کرتے ہیں، سب مٹ جائیں گے اور یہودی وجود کا انجام تباہی ہے اور پھر فلسطین، ایک دن ضرور، اسلام کی پاک زمین بن کر واپس آئے گا، جیسے صلیبیوں کے قبضے سے آزاد ہوا تھا۔

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيراً﴾ **"پھر جب دوسری بار کا وعدہ آیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ مسجد میں داخل ہو جائیں جیسے پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں"**(سورۃ بنی اسرائیل: آیت 07)

اے مسلمانو! اللہ کے فضل سے، فلسطین کے عوام اُن لوگوں سے نقصان نہ پائیں گے جنھوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان کے لیے القوی اور العزیز اللہ کی طرف سے ایک عظیم فتح کا وعدہ ہے۔ مگر اس فتح کا راستہ ان ایجنٹ اور خائن حکمرانوں سے امت مسلمہ کی آزادی سے ہو کر گزرتا ہے، جو ان کے سینوں پر براجمان ہیں مسلمان تنگدستی اور ذلت میں ہی رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے اوپر سے ذلت کا غبار نہ جھاڑیں، ظالموں کے خلاف متحد نہ ہوں، اور افواج میں موجود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے مطالبہ نہ کریں کہ وہ فوراً خلافتِ راشدہ قائم کریں، وہ خلافت جس کا وعدہ اللہ نے دیا ہے اور خوشخبری رسولؐ نے سنائی ہے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار ہے اور یہی وہ دعوت ہے جس کی طرف حزب التحریر بلا رہی ہے۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

جو سمجھتا ہے کہ خاموش رہ کر وہ غداروں سے محفوظ رہے گا، وہ غلطی پر ہے۔ یہ مجرم حکومتیں ہمیں ذلت میں رکھیں گی، اور ہمارے بچوں کو خوف، بھوک اور مصیبت میں ڈالے رکھیں گی۔ دنیا اور آخرت میں نجات صرف اسی صورت ہے کہ ہم اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے دن اور رات کام کریں، اور مجرم حکومتوں کو گرا دیں۔ اور جو شخص اس بھلائی میں دیر کرے، تو وہ صرف اپنی ہی ملامت کرے جب وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو گا اور اس کے پاس کوئی حجت نہ ہو گی۔ اور اس بارے میں آپ کے لیے یہ حدیث کافی ہے جو مسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: **«يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا، فَمَنْ وَجَدَ خَيْراً فَلْيَحْمَدِ اللهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ» "اے میرے بندوں! یہ تو تمہارے اعمال ہیں، میں انہیں تمہارے لیے گنوں گا پھر تمہیں ان کا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جس نے بھلائی پائی وہ اللہ کی حمد کرے، اور جس نے کچھ اور پایا تو وہ اپنی اپنی جان کو ہی ملامت کرے"**

اے اللہ! اس پیغام کو ہمارے ذریعے سے عام کر دے، مسلمانوں کے دلوں کو اس سے منور فرما، اس کی طرف مائل فرما اور ہمیں اپنی طرف سے مددگار طاقت عطا کر۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو رب العالمین ہے۔

فہرست

سوال وجواب: السویداء کے واقعات

سوال:

("آکسیوس" نے خبر دی ہے کہ 25 جولائی 2025 کو پیرس میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس منعقد ہوا جس میں اسرائیلی وزیر برائے اسٹریٹیجک منصوبہ بندی "رون ڈیرمر" اور شامی وزیر خارجہ "اسعد الشیبانی" نے شرکت کی، اور اس اجلاس کی ثالثی امریکہ کے خصوصی مندوب برائے شام "تھامس باراک" نے کی۔) گزشتہ چند دنوں کے دوران، خصوصاً 12 جولائی 2025 کے بعد سے، شام کے جنوبی علاقے السویداء میں جو کہ اکثریتی طور پر دروز آبادی پر مشتمل ہے، تیزی سے بدامنی اور شورش میں اضافہ ہوا ہے۔ یہودی وجود نے نہ صرف وہاں مداخلت کا اعلان کیا بلکہ شام میں اپنے مسلسل جارحانہ اقدامات کو بھی جاری رکھا، یہاں تک کہ صدارتی محل کے گردونواح پر حملہ کیا، اور دمشق میں وزارتِ دفاع اور آرمی ہیڈکوارٹر پر بھی بمباری کی...

سوال یہ ہے کہ: السویداء میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ یہودی وجود اس علاقے اور عمومی طور پر جنوبی شام کے لیے کیا منصوبہ بندی رکھتا ہے؟ اور کیا امریکہ اس منصوبے میں اس کی پشت پناہی کر رہا ہے؟ اس سب کا ان "نارملائزیشن" کی باتوں سے کیا تعلق ہے جو شامی حکومت اور یہودی وجود کے درمیان ہو رہی ہیں، خاص طور پر وہ ملاقاتیں جو آذربائیجان میں ہوئیں اور پیرس میں مذکورہ ملاقاتیں کا بھی؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب:

مذکورہ بالا سوالات کو واضح کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل نقاط پیش کرتے ہیں؛

1 – جہاں تک دروز کا تعلق ہے تو شام میں ان کی تعداد تقریباً سات لاکھ کے قریب ہے، جو زیادہ تر جنوبی شام کے علاقوں، خصوصاً صوبہ السویداء میں آباد ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ لبنان میں مقیم ہے جن کی تعداد تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار ہے، جبکہ ایک اور حصہ، جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار بتائی جاتی ہے، شمالی فلسطین اور جولان کی پہاڑیوں میں مقیم ہے۔ یہودی وجود نے مقبوضہ علاقوں میں بسنے والے ان دروز کو اپنی شہریت دے رکھی ہے، اور ان میں سے کچھ نے اس کے فوجی دستوں میں شمولیت بھی اختیار کی ہے... چنانچہ یہودی وجود انہیں شام میں مداخلت کے لیے ایک بہانہ بناتا ہے۔ اس نے گزشتہ ماہ فروری کے آخر سے دارالحکومت دمشق کے قریب جرمانا اور صحنایا کے علاقوں میں دروز کو بھڑکانا شروع کیا... اور جب 12 جولائی 2025 سے السویداء کے حالیہ واقعات شروع ہوئے تو یہودی وجود نے کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ دروز کی حمایت کرتا ہے اور ان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ چنانچہ دروز کی بعض مسلح گروہوں نے صوبہ السویداء میں مقیم مسلم بدوؤں کے خلاف پر تشدد کارروائیاں کیں اور سینکڑوں کو قتل کر ڈالا۔

یہودی وجود کے وزیر اعظم نیتن یاہو نے 17 جولائی 2025 کو یہودی اور دیگر عالمی ٹیلی ویژن چینلز پر نشر کیے گئے اپنے خطاب میں کہا: "ہم نے ایک واضح پالیسی اپنالی ہے، جو کہ جنوبی دمشق کے علاقے سے لے کر جولان کی پہاڑیوں تک اور جبل الدروز تک اسلحہ سے پاک زون بنانا ہے۔ یہ پہلا مرحلہ ہے۔ دوسرا مرحلہ جبل الدروز میں دروز کا تحفظ ہے۔" اسی طرح، یہودی وجود کے وزیر جنگ "یسرائیل کاٹز" نے 16 جولائی 2025 کو ایکس (سابق ٹوئٹر) پر شام کو دھمکیاں دیتے ہوئے کہا: "دمشق کے لیے انتباہی پیغامات ختم ہو چکے ہیں، اب کاری ضربیں آئیں گی... ہماری فوج السویداء میں پوری قوت سے کارروائیاں جاری رکھے گی تاکہ ان گروہوں کو مکمل طور پر پیچھے دھکیلا جائے جنہوں نے دروز پر حملہ کیا تھا۔"

یہودی فوج کے ترجمان نے بھی ایکس پر کہا: "فوج شامی حکومت کے فوجی اہداف کو مسلسل نشانہ بنارہی ہے، ابھی کچھ دیر پہلے دمشق کے علاقے میں شامی آرمی ہیڈکوارٹر پر حملہ کیا گیا ہے۔" اسی روز یہودی فوج کے ریڈیو نے اعلان کیا کہ: "گزشتہ رات سے اب تک شام میں تقریباً 160 اہداف کو نشانہ بنایا گیا ہے، جن میں سے زیادہ تر السویداء میں 'شامی سیکیورٹی فورسز اور بدوؤں' کے خلاف تھے، اور کچھ اہداف دارالحکومت دمشق میں تھے۔" اس کے ساتھ ہی صدارتی محل، وزارت دفاع اور آرمی ہیڈکوارٹر کو نشانہ بنانے کا بھی اعلان کیا گیا

2 - اس طرح یہودی وجود نے پوری وضاحت کے ساتھ اپنے اہداف اور پالیسی کا اعلان کیا، اور یہ بھی کہ وہ دروز کو شام کے خلاف اپنی اس پالیسی کے نفاذ کے لیے استعمال کر رہی ہے، یوں ظاہر کر کے جیسے دروز اس کے لیے اہم ہیں، نہ کہ شامی حکومت کے لیے! گویا وہ السویداء کے علاقے کو بالواسطہ شام سے کاٹ کر اپنی بالادستی میں لینا چاہتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہودی وجود، بشار الاسد کے دورِ حکومت میں بھی شام پر حملے کرتا رہا ہے، تاہم اس وقت اس نے دروز کو کبھی بھی حملے کی بنیاد نہیں بنایا۔ بلکہ اس وقت وہ ایران کی موجودگی اور اس کے حامیوں کو ہدف بناتا رہا۔ اس نے شام میں حکومت اور ایران دونوں کے کئی فوجی مراکز پر حملے کیے، جو کہ اپنے ملیشیاؤں کے ذریعے بشار حکومت کی حمایت کر رہے تھے، اور اس نے دمشق میں ایرانی قونصل خانے کو بھی نشانہ بنایا اور ایرانی فوج کے کئی اعلیٰ کمانڈروں کو قتل کر دیا۔

جب 8 دسمبر 2024 کو بشار الاسد فرار ہوا، تو یہودی وجود نے لگاتار کئی دنوں تک شدید فضائی حملے کیے اور شام کے سینکڑوں فوجی مقامات کو تباہ کر ڈالا۔ اور چونکہ اس کو نہ کوئی جواب ملا، اور نہ کوئی مزاحمت، تو وہ مزید لالچی ہو گیا اور اپنی جارحیت جاری رکھتے ہوئے نئی شامی زمینوں پر قابض ہو گیا، یہاں تک کہ وہ دارالحکومت دمشق سے صرف 25 کلومیٹر کے فاصلے تک پہنچ گیا اور جبل الشیخ پر قبضہ کر لیا، اور 1974ء کے "فصلِ اشتباک" اور "فائر بندی" کے معاہدوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی۔

پس، یہودی وجود جنوبی شام کو ایک غیر مسلح، محفوظ اور بفر زون (buffer zone) بنانا چاہتا ہے، اور اس مقصد کے لیے خاص طور پر اقلیتوں، بالخصوص دروز، کے معاملے کو استعمال کر رہا ہے

3 - ان واقعات کے بعد، شامی صدر احمد الشرع نے 17 جولائی 2025 کی صبح ایک خطاب کیا جو سرکاری شامی ٹیلی ویژن اور عربی نشریاتی اداروں پر نشر کیا گیا۔ اس میں اس نے کہا: "ہمارے سامنے دو راستے تھے: یا تو "اسرائیل" سے جنگ کرتے، یا دروز کے بڑوں کو باہمی معاہدے کا موقع دیتے؛ چنانچہ ہم نے وطن کے تحفظ کو ترجیح دی۔" اور مزید کہا: "اگر امریکی، عربی اور ترک ثالثی نہ ہوتی تو اسرائیل السویداء میں فائر بندی کو سبوتاژ کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوتا۔"

پھر 19 جولائی 2025 کو اس نے دوسرا خطاب کیا، جسے شامی خبر رساں ایجنسی نے نشر کیا اور مختلف ٹی وی چینلز پر دکھایا گیا۔ اس میں اس نے کہا: "شامی ریاست نے حالات کو پر سکون کرنے میں کامیابی حاصل کی، اگرچہ صورتِ حال بہت دشوار تھی؛ لیکن "اسرائیلی" مداخلت نے ملک کو ایک نہایت خطرناک مرحلے میں دھکیل دیا، جس سے استحکام کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا، کیونکہ جنوبی علاقوں پر کھلم کھلا بمباری کی گئی اور دارالحکومت دمشق کی سرکاری عمارتوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ان واقعات کے بعد، امریکہ، عرب ممالک، اور ترکی نے ثالثی کے ذریعے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔"

پس، وہ دیگر ممالک، بالخصوص امریکہ پر بھروسا کر رہا ہے، جو کہ یہودی وجود کا مربی و سرپرست ہے، اور اسے موقع دے رہا ہے کہ امریکہ، شام پر اپنی گرفت مضبوط کر سکے!

4 - پھر حالات نے مزید شدت اختیار کی اور یہ بات نمایاں طور پر سامنے آگئی کہ حکمَت الھجری کا یہودی وجود سے گہرا تعلق ہے۔ اس نے السویداء کے اندرونی معاملات پر اپنی مضبوط گرفت قائم کر لی، اور "گروہ کے اندر صف بندی" اور "شہداء کے اہلِ خانہ سے اظہارِ یکجہتی" جیسے نعروں کی آڑ میں اُن تمام آوازوں کو خاموش کرنا شروع کر دیا جو اس کے مؤقف کی حمایت نہیں کرتیں، جیسے کہ الجربوع، البلعوس، اور الحناوی کی آوازیں۔

اگرچہ حکمَت الھجری کا دھڑا السویداء میں سب سے بڑا اور غالب دھڑا ہے اور دیگر گروہوں پر حاوی ہے، تاہم مخالفین کی آوازیں—جیسا کہ الجربوع اور البلعوس—نہایت مدھم اور کمزور ہو چکی ہیں۔ ان کی طرف سے شام کے ریاستی نظام کے اندر باقی رہنے کا مطالبہ اب خفیف سا احتجاج معلوم ہوتا ہے، اور میدانی طور پر ان کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکمَت الھجری ہی وہ شخص ہے جو جھڑپوں کو ہوا دیتا ہے، اور دمشق کے ساتھ طے پانے والے معاہدوں سے انکار کرتا ہے۔ اس کا دھڑا ہی السویداء پر حاوی ہے، اور وہ اپنے بیانات کو دروز کی "روحانی قیادت" کے نام سے جاری کرتا ہے، جبکہ الجربوع اور الحناوی جیسے دیگر دینی و سماجی حوالوں کو بالکل نظر انداز کرتا ہے۔

یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ وہ یہودی وجود کے ساتھ براہِ راست رابطے میں ہے، اور اس نے درجنوں دروز زائرین کو "اسرائیل" بھیجا ہے۔

حکمت الہجری نے دروز کی روحانی قیادت کے نام پر ایک بیان جاری کیا، جس میں کہا گیا: "ہم آزاد دنیا، اور اس میں اثرورسوخ والی تمام قوتوں سے اپیل کرتے ہیں، اور معزز امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ، اسرائیلی وزیراعظم بنیامین نیتن یاہو، سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان، اور اردنی بادشاہ عبداللہ دوم کے حضور، اور ہر اُس شخص کو جو اس دنیا میں آواز اور اثر رکھتا ہے اپنا یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ... السویداء کو بچائیے"!

(بحوالہ: اناضول نیوز ایجنسی، 17 جولائی 2025)

یہودی وجود نے "اسرائیل" کے اندر سے دروز کے لیے اپنی سرحدیں کھول دیں تاکہ وہ شام کے اندر جنگ میں شامل ہو سکیں۔

آرٹی (RT) نے 19 جولائی 2025 کو اطلاع دی کہ دروز برادری سے تعلق رکھنے والے تقریباً 2000 افراد، جن میں یہودی فوج میں خدمات انجام دینے والے سپاہی بھی شامل ہیں، نے ایک ہی دن میں شام میں لڑائی کے لیے شامل ہونے کے اپنے ارادے کا اعلان کیا۔

5 - یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ دمشق کی حکومت نے خود کو السویداء اور جنوبی شام کے بحران میں سب سے کمزور کڑی بنالیا ہے۔ یہ صرف یہودی وجود کے حملوں پر نرمی یا خاموشی کی حد تک محدود نہیں بلکہ اس کے فوجی اثاثے تباہ کیے جارہے ہیں، جنوبی شام میں اس کی سرزمین پر کھلے عام قتل و گرفتاری ہو رہی ہے، اور گویا شام نام کی کوئی ریاست موجود ہی نہیں!

اس ساری بے عملی اور پسپائی کی بنیاد ترک صدر رجب طیب اردگان کے ان "مشوروں" پر ہے، جس نے امریکی صدر کی اُس درخواست کی حمایت کا اعلان کیا کہ دمشق ابراہیمی معاہدات میں شامل ہو جائے (ماخذ: الشرق الأوسط، 6 جولائی 2025)۔ اردگان نے ہی آذربائیجان میں احمد الشرع کی حکومت اور یہودی وجود کے درمیان روابط کی سرپرستی کی۔

یوں احمد الشرع کی حکومت السویداء کے بحران میں ایک نہایت کمزور اور بے حیثیت رکن بن کر رہ گئی ہے۔ وہ اس حد تک پستی میں گئی کہ جھڑپوں کو روکنے کی کوشش تو کی، لیکن کمال کی ذلت کے ساتھ علاقہ چھوڑ دیا—کیونکہ یہودی وجود کا بمباری کا سلسلہ نہ صرف شامی افواج کے جنرل اسٹاف تک پہنچ گیا، بلکہ صدارتی محل تک جا پہنچا۔ اس کے بعد امریکہ اور ایسی "ثالثی" سامنے آئی جسے عربی اور ترکیہ کا رنگ دیا گیا، اور اس کی بنیاد پر شامی حکومت کی جانب سے سیکیورٹی فورسز کو دوبارہ بھیجا گیا، مگر اس بار یہ فوج نہیں بلکہ وزارت داخلہ کی پولیس فورسز تھیں، جن کے پاس صرف ہلکا اسلحہ تھا۔

مزید یہ کہ ان فورسز نے السویداء کے اندر داخل ہونے کے بجائے، محض عرب قبائل کو السویداء پر حملہ جاری رکھنے سے روکنے کے لیے صوبے کی حدود پر ہی رکنے کا کام کیا۔ درحقیقت، یہ یہودی وجود ہی تھا جس نے ان کو یہی حکم دیا کہ قبائل کو السویداء پر حملے سے روکا جائے!

ہر معاہدے میں، حکمت الہجری ہی وہ شخص تھا جو معاہدہ توڑتا رہا اور نئے مطالبات سامنے لاتا رہا، یہاں تک کہ حکومت کو ہر بار ایک نیا معاہدہ کرنا پڑا۔ محض ایک ہفتے کے دوران چار مختلف معاہدے کیے گئے۔ احمد الشرع کی حکومت نے مذاکرات کے ذریعے قبائلی مسلح

افراد کو السویداء سے نکال دیا، لیکن خود وہاں داخل نہ ہوئی۔ اس کے بعد اس نے السویداء میں مقیم عرب قبائل کو بھی وہاں سے نکالنے کا عمل شروع کر دیا، چنانچہ اس نے سینکڑوں مسلم خاندانوں کو السویداء سے بے دخل کر کے درعا کے پناہ گزین مراکز میں منتقل کر دیا۔

یہی کچھ حکمت الہجری بھی کر رہا ہے، جیسا کہ 21 جولائی 2025 کو اناضول نیوز ایجنسی نے رپورٹ کیا: "جمعہ کے روز جھڑپیں اس وقت دوبارہ شروع ہو گئیں جب حکمت الہجری کے ایک گروہ نے سنی بدو قبائل کے متعدد افراد کو السویداء سے نکالا اور ان کے خلاف سنگین زیادتیاں کیں۔"

لہٰذا، نئی شامی حکومت نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ شام پر اسی طرز پر حکمرانی کرے گی جیسا کہ امریکہ چاہے گا، اور یہ اسے امت میں چلنے گی جو ترکی میں امریکہ کا سفیر اور شام کے لیے اس کا خصوصی ایلچی، ٹوم باراک ہے اس کے لیے متعین کرے گا!

6 - اگر شام میں جاری واقعات پر تدبر سے غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ امریکہ شام کو ایک طے شدہ منصوبے کے تحت چلا رہا ہے، ایسا منصوبہ جو آج سے شروع نہیں ہوا، بلکہ ڈونلڈ ٹرمپ کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اس میں صرف شدت اور تیزی آئی ہے۔

چنانچہ امریکی صدر ٹرمپ نے وائٹ ہاؤس میں "اسرائیلی" وزیرِ اعظم بنیامین نیتن یاہو سے ملاقات کے دوران اس پر زور دیا کہ وہ ترک صدر رجب طیب اردگان کے ساتھ اپنے مسائل حل کرے اور معاملہ فہمی سے کام لے۔

ٹرمپ نے صحافیوں سے گفتگو میں اردگان سے اپنی ذاتی قربت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "میری اس شخص کے ساتھ بہت گہری دوستی ہے جس کا نام اردگان ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں، وہ مجھے پسند کرتا ہے، اور یہی بات میڈیا کو غصہ دلاتی ہے۔" ٹرمپ نے مزید کہا: "میں نے نیتن یاہو سے صاف کہہ دیا کہ میں اردگان کو پسند کرتا ہوں۔ اگر تمہیں اس سے کوئی مسئلہ ہے، تو اسے خود حل کرو۔" ٹرمپ نے زور دیا کہ: "اسرائیلیوں کو ترکی کے ساتھ اپنے اختلافات عقل مندی سے حل کرنے چاہییں۔" (بحوالہ: الجزیرہ، 8 اپریل 2025)

پھر، 14 مئی 2025 کو، ٹرمپ نے ریاض میں شام کے عبوری صدر احمد الشرع سے ملاقات کی ـــ یہ گزشتہ 25 برسوں میں اپنی نوعیت کی پہلی ملاقات تھی۔ اس سے ایک دن پہلے ہی ٹرمپ نے شام پر عائد پابندیاں ہٹانے کا اعلان کیا تھا، جس پر دمشق نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے "فیصلہ کن موڑ" قرار دیا۔

وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے بتایا کہ صدر ٹرمپ نے شامی صدر سے مطالبہ کیا کہ وہ "اسرائیل" کے ساتھ ابراہیمی معاہدات پر دستخط کرے۔ (بحوالہ: فرانس 24، 14 مئی 2025)

یوں یہ بات صاف ہو گئی کہ اس ملاقات، پابندیاں ہٹانے، اور نیتن یاہو کو ترکی سے ہم آہنگی کی ہدایت دینے کے ذریعے ٹرمپ اور اس کی انتظامیہ شام پر مکمل امریکی تسلط کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

7 - ان تمام حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ کی شام سے متعلق حکمت عملی ایک بنیادی اصول پر مبنی ہے: ایک ایجنٹ کو دوسرے ایجنٹ سے بدل دینا۔

اسی مقصد کے تحت امریکہ نے ترکی کو بشار الاسد کی حکومت گرانے اور اس کی جگہ اپنی وفادار ایک نئی حکومت قائم کرنے کے لیے اجازت دی۔

اگرچہ شام کے نئے صدر احمد الشرع کی جانب سے مسلسل نرم لہجے اور مفاہمتی بیانات آتے رہے، جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس تبدیلی پر پوری طرح آمادہ ہے، کیونکہ اس نے اسلام کے نفاذ کو ترک کر دیا، بشار کے پیروکاروں کا محاسبہ نہیں کیا اور اس کے بدلے "قومی مفاہمت" کی راہ اختیار کی، یہاں تک کہ وہ پسِ پردہ "اسرائیلی" ریاست کے ساتھ مذاکرات میں مشغول ہو گیا۔ پہلے آذربائیجان میں، 12 جولائی 2025 کو، اور بعد میں پیرس میں ("آکسیوس" کی رپورٹ کے مطابق، پیرس میں ایک اعلیٰ سطحی ملاقات ہوئی جس میں اسرائیل کے وزیر منصوبہ بندی رون ڈیرمر اور شامی وزیر خارجہ أسعد الشیبانی کے درمیان بات چیت ہوئی۔ اس میں امریکی ایلچی برائے شام، ٹام باراک نے ثالثی کا کردار ادا کیا۔ یہ مذاکرات تقریباً چار گھنٹے جاری رہے۔ یہ 25 برسوں میں اپنی نوعیت کی پہلی براہِ راست ملاقات تھی۔ بات چیت کا محور جنوبی شام میں کشیدگی میں کمی، سیکیورٹی کے قیام اور جنگ بندی تھا۔)

شامی انسانی حقوق کے نگران ادارے نے انکشاف کیا کہ امریکی ثالثی کے ذریعے، "اسرائیل" اور شام کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا ہے، جو سات بنیادی نکات پر مشتمل ہے۔ اس میں خاص طور پر السویداء میں جنگ بندی کا ذکر ہے، جہاں 12 جولائی سے سنگین حالات پیدا ہو چکے ہیں۔

معاہدے کی اہم شقیں درج ذیل ہیں: السویداء کا پورا معاملہ امریکی انتظامیہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ السویداء کے مقامی باشندوں پر مشتمل بلدیاتی کونسلیں تشکیل دی جائیں گی، جو وہاں عوامی خدمات انجام دیں گی۔ خلاف ورزیوں کو رپورٹ کرنے کے لیے ایک کمیٹی قائم ہو گی، جو براہ راست امریکہ کو رپورٹ دے گی۔ درعا اور قنیطرہ صوبوں کو اسلحے سے پاک کیا جائے گا۔ ان علاقوں میں مقامی سیکیورٹی کمیٹیاں بنائی جائیں گی، جنہیں بھاری اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

(ماخذ: أکسیوس- عین لیبیا، 25 جولائی 2025)

یہ تمام اقدامات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ امریکہ جنوبی شام کو ایک ایسی "بفر زون اور محفوظ پٹی میں تبدیل کرنا چاہتا ہے جو یہودی وجود کے لیے محفوظ ہو، اور وہ یہودی جارحیت کو نہ صرف نظر انداز کر رہا ہے بلکہ اس سے مطمئن بھی ہے — تاکہ شامی حکومت کو اس معاہداتی دباؤ میں لایا جا سکے جس سے یہودی وجود کے ساتھ رسمی تعلقات قائم کیے جا سکیں۔

آذربائیجان اور پیرس میں جو ملاقاتیں ہوئیں، وہ اسی تسلسل کی کڑیاں ہیں۔ میڈیا کے لیکس کے مطابق، مذاکرات کے سب سے اہم نکات یہ ہے کہ جنوبی شام میں یہودی قبضے کے لیے ایک "سیکورٹی زون" قائم کیا جائے، بالکل ویسے ہی جیسے سنہ 1979 کے امن

معاہدے کے تحت مصر کے صحرائے سیناء میں قائم کیا گیا، جو آج بھی نافذ ہے اور مصریوں کو، نسل کُشی کا سامنا کرنے والے اپنے بھائیوں، کی مدد کے لیے غزہ کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے۔

8۔ آخر میں، یہ واقعی دکھ کی بات ہے کہ شام کی وہ سرزمین، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث شریف میں فرمایا ہے، جسے الطبرانی نے روایت کیا ہے... کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عقر دار الإسلام بالشام» "اسلام کا گھر شام ہے"۔ اور آج یہ شام ایک ایسی حکومت کے تحت آگیا ہے جو اسلام سے دور ہے، اور جس کا حاکم امریکا کا وفادار ہے اور یہودی وجود کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ یہودی وجود کے خلاف لڑ نہیں رہا، بلکہ اس کے ساتھ صلح کے معاہدے کرنے کی جستجو میں ہے، اور وہ سب کچھ کر رہا ہے جو یہودی وجود اور اس کی حامی امریکا کو پسند آئے۔ حتیٰ کہ اس نے حزب التحریر کے وہ نوجوان، جو خلافت راشدہ کے داعی ہیں، کو جیلوں میں بند رکھا ہوا ہے تاکہ امریکا اور یہودی، جو خلافت اور خلافت کی سوچ رکھنے والوں کے دشمن ہیں کو راضی کر سکے۔ وہ اس وہم کا شکار ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو راضی کر کے وہ اپنی حکومت قائم رکھ سکے گا! اور وہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو بھول گیا یا نظر انداز کر دیا، جو ابن حبان نے اپنی صحیح کتاب میں عروہ سے روایت کی ہے جنہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَأَرْضَى النَّاسَ عَنْهُ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ سَخَطَ اللهُ عَلَيْهِ، وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ» "جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی ناپسندیدگی کو قبول کرتا ہے، تو اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے۔ اور جو شخص لوگوں کی رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ کی ناراضگی کو قبول کرتا ہے، تو اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناخوش کر دیتا ہے۔"** اور ترمذی نے اسے سنن میں یوں بیان کیا: **«مَنْ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنْ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ وَكَلَهُ اللهُ إِلَى النَّاسِ» "جو شخص اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کی ناراضگی قبول کرتا ہے، تو اللہ اسے لوگوں کی تکلیف کے مقابلے میں کافی ہو جاتا ہے، اور جو شخص لوگوں کی رضا کی خاطر اللہ کی ناراضگی قبول کرے، تو اللہ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔"**

بہر حال، ہم مطمئن ہیں کہ اس جبر کی حکمرانی کے بعد جس میں ہم آج زندگی گزار رہے ہیں خلافت ضرور واپس آئے گی: احمد نے اپنی مسند میں حذیفة سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«.... ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» "۔۔۔اس کے بعد جبر کی حکومت ہو گی اور وہ بھی اس وقت رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہئے گا تو اٹھا لے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"** اور یہ روایت الطیالسی نے بھی اپنی مسند میں نقل کی ہے۔

اور تب اسلام اور مسلمان عزت پائیں گے اور کفر اور کافروں کو ذلت نصیب ہو گی۔ اور مومنین کو خوشخبری ہے: ﴿**وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ**﴾۔ "**اور دوسری چیز جو تم پسند کرتے ہو، وہ اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح ہے، اور مومنوں کو خوشخبری دے دو۔**" (سورۃ الصف: آیت 13)

01 صفر 1447ھ

2025/07/26م

#Ameer_Hizb_ut_Tahrir

فہرست

سوال کا جواب: امریکی حکمتِ عملی اور دو ریاستی حل

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے قلب میں یہودی ریاست کو مضبوط کرنے سے متعلق امریکی حکمت عملی زیادہ تر دو ریاستی حل پر مبنی رہی ہے۔ لیکن ٹرمپ کے دور میں اس سے پسپائی شروع ہوئی یا کم از کم اس پر خاموشی اختیار کر لی گئی، جس نے اسے ایک سوالیہ نشان بنا دیا۔ مثال کے طور پر، ٹرمپ نے کہا: (جب میں مشرقِ وسطیٰ کا نقشہ دیکھتا ہوں، مجھے اسرائیل بہت چھوٹا نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ دراصل، میں نے کہا: کیا زیادہ جگہ حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہے؟ یہ بہت چھوٹا ہے...) (سکائی نیوز، 19/8/2024)۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کا دو ریاستی حل کا منصوبہ مر چکا ہے اور اس کا معاملہ ختم ہو گیا ہے یا یہ ابھی باقی ہے؟ شکریہ

جواب:

وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل نکات پیشِ نظر ہیں:

1۔ سن 1959 میں، آئزن ہاور کے دورِ صدارت کے اختتام کی جانب، امریکہ نے اپنا دو ریاستی حل کا منصوبہ اختیار کیا، جسے یوں خلاصہ کیا جا سکتا ہے: (یہودی ریاست کی حمایت اور اس کا تحفظ، اور اس کے ساتھ فلسطینیوں کے لیے ایک ریاست کا قیام۔۔۔) اس تناظر میں، خطے میں اس کے ایجنٹس، خاص طور پر مصری نظام، اس منصوبے پر عمل کے لیے متحرک ہوئے۔ اسی مقصد کے لیے تنظیم آزادئ فلسطین (PLO) تشکیل دی گئی۔ تاہم، برطانیہ نے اردن کی حکومت کے ذریعے اس منصوبے کی سخت مخالفت کی، اور اس کے بجائے یہ تجویز دی کہ ایک سیکولر فلسطینی ریاست قائم کی جائے جس پر یہودیوں کا غلبہ ہو، بالکل لبنان کی سیکولر ریاست کی طرز پر جس پر عیسائیوں کا کنٹرول ہے۔

2۔ اس وقت مغربی کنارہ اردن کے ماتحت تھا، اور غزہ مصر کے ماتحت۔ لیکن جب جون 1967 میں ایک نمائشی جنگ کے نتیجے میں مغربی کنارہ، غزہ، سیناء اور وادیِ گولان یہودی وجود کے قبضے میں چلے گئے، تو بات چیت اب فلسطینی ریاست کے قیام پر مرکوز نہیں رہی، بلکہ سلامتی کونسل کی قرارداد 242 کی بنیاد پر ان مقبوضہ علاقوں سے یہودی ریاست کے انخلا پر ہونے لگی۔۔ چنانچہ امریکہ نے فلسطینی مسئلے کو ایک طرف رکھ دیا اور ایک تحریکی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ یہی پس منظر تھا اکتوبر 1973 کی جنگ کا، جس کا

مقصد نام نہاد امن عمل کو متحرک کرنا تھا۔ چنانچہ مصر کے صدر انور السادات کی قیادت میں ستمبر 1978 میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ طے پایا، جس کے تحت یہودی ریاست نے سیناء سے پسپائی اختیار کی، مگر شرط یہ رہی کہ وہ علاقہ غیر مسلح رہے گا تاکہ بطورِ بفر زون یہودی وجود کی سرحد کا تحفظ کرے۔ اور آج تک وہ علاقہ اُسی حالت میں ہے، حالانکہ غزہ میں یہ مجرمانہ وجود نسل کش جنگ برپا کیے ہوئے ہے، اور وہ جنگ سیناء کی سرحدوں تک پہنچ چکی ہے!!

3۔ اس کے بعد، امریکہ شمالی محاذ کی طرف متوجہ ہوا اور یہودی وجود کو 1982 میں لبنان پر حملہ کرنے کی ہدایت کی تاکہ وہاں سے فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کو نکال باہر کیا جائے اور اسے یہودی وجود کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ امن معاہدہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ تنظیم کے چیئرمین یاسر عرفات نے 25/7/1982 کو اس دستاویز پر دستخط کیے، جسے میکلوسکی دستاویز کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں اس نے کہا: "تنظیم اب اسرائیل کے وجود کے حق کو تسلیم کرتی ہے"۔ 1988 میں، عرفات نے الجزائر میں منعقد ہونے والی فلسطینی قومی کانفرنس میں، اور اسی طرح نیویارک میں اقوام متحدہ کے سامنے ایک اجلاس میں، فلسطینی ریاست کے قیام کی منظوری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد برطانیہ اور اس کا ایجنٹ، اردن کا بادشاہ، مغربی کنارے سے علیحدگی پر آمادہ ہو گئے۔

4۔ اس کے بعد، امریکہ نے 1991 میں میڈرڈ کانفرنس منعقد کی تاکہ دو ریاستوں کے حل کے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی راہ ہموار کی جا سکے۔ پھر 1993 میں اوسلو معاہدہ طے پایا جو تنظیمِ آزادیِ فلسطین اور یہودی ریاست کے درمیان ہوا، جس کے ذریعے تنظیم نے باضابطہ طور پر یہودی ریاست کو تسلیم کیا۔ اسی طرح 26 اکتوبر 1994 کو وادی عربہ معاہدہ ہوا، جو یہودی ریاست اور اردن کے درمیان تھا، جس کے نتیجے میں اردن نے مغربی کنارے پر اپنا حق چھوڑ دیا اور یہودی ریاست کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ امریکہ نے ان دونوں معاہدوں کو اپنے دو ریاستی حل کے منصوبے کو نافذ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ 2008 کے آخر میں بش کے دوسرے دور کے خاتمے کے بعد، اوباما واشنگٹن میں برسر اقتدار آیا۔ اس نے 2/9/2010 کو فلسطینی اتھارٹی اور یہودی وجود کے درمیان امریکی سرپرستی میں براہ راست مذاکرات کا مطالبہ کیا، اس امید پر کہ ایک سال کے اندر دو ریاستی حل نافذ ہو جائے گا۔ لیکن مذاکرات کسی معاہدے تک پہنچے بغیر ختم ہو گئے۔

5۔ عنی 2016 کے آخر میں اوباما کا دوسرا دور ختم ہوا اور 2017 کے آغاز میں ٹرمپ اقتدار میں آیا اور اپنی پہلی مدت مکمل کی، پھر وہ انتخابات ہار گیا اور 2021 کے آغاز میں بائیڈن اس کا جانشین بنا۔ بائیڈن کی مدت کے اختتام کے بعد، ٹرمپ دوبارہ انتخابات جیت کر 2025 کے آغاز میں صدر بنے۔ ٹرمپ اور بائیڈن، دونوں کے دور میں ایک نیا طریقہ کار ابھر کر سامنے آیا جو گزشتہ صدور سے مختلف تھا۔ سابق صدور نے ہمیشہ دو ریاستی حل کی حمایت کی، بغیر اس بات کی وضاحت کیے کہ فلسطینی ریاست کی تفصیلات کیا ہوں گی۔ چنانچہ کوتاہ نظر لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ فلسطینیوں کو فلسطین کے ایک حصے میں ایک خود مختار ریاست دی جائے گی۔ البتہ،

ٹرمپ اور بائیڈن نے تفصیلات واضح کیں: فلسطینیوں کو جو "ریاست" دی جائے گی، وہ ایک غیر مسلح ریاست ہو گی، جو ایک محدود خود مختار حکومت کی طرح ہو گی جس کی کوئی حیثیت یا طاقت نہیں ہو گی، بلکہ اس پر یہودیوں کا غلبہ ہو گا۔ بس دونوں میں اس بات کی شدت اور ابہام میں فرق تھا۔ یہاں سوالات پیدا ہوئے: کیا امریکہ نے دو ریاستی منصوبہ ترک کر دیا یا یہ جاری ہے؟ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ فلسطین کے حوالے سے یہودیوں کا کوئی بھی بیان معتبر نہیں ہوتا جب تک اسے بیرونی طاقت یعنی امریکہ کی تائید حاصل نہ ہو۔ لہٰذا، اصل میں امریکی موقف ہی معنی رکھتا ہے۔

6۔ اس موضوع پر باریک بینی سے غور کرنے سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

الف: ہم نے اس سوال کا جواب پہلے ہی 23 فروری 2017 کو دیا تھا، جب ٹرمپ نے اپنی پہلی مدت صدارت شروع کی تھی، اور اس میں کہا گیا تھا: "ٹرمپ کی وہ تمام میڈیا رپورٹس جو عالمی و مقامی ذرائع ابلاغ نے نشر کیں اور براہِ راست ٹیلی ویژن پر دکھائیں، اس میں صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے بدھ کے روز مشرق وسطیٰ کے حوالے سے امریکی پالیسی میں ایک نئی تبدیلی کا اشارہ کیا، جب اس نے کہا کہ دو ریاستی حل اسرائیلی فلسطینی تنازع کے خاتمے کا واحد راستہ نہیں ہے، اور اگر کوئی متبادل حل امن لانے کا باعث بنے تو وہ اس کے لیے تیار ہے۔ اس سے پہلے تمام سابق امریکی صدور، خواہ وہ ریپبلکن ہوں یا ڈیموکریٹ، دو ریاستی حل کے حق میں رہے ہیں۔" (فرانس24، 16 فروری 2017)

ٹرمپ نے کہا: "میں دو ریاستی حل اور ایک ریاستی حل دونوں کو دیکھ رہا ہوں... اگر اسرائیل اور فلسطینی خوش ہیں تو میں اُس حل سے خوش ہوں جو وہ پسند کرتے ہیں، دونوں حل میرے لیے قابل قبول ہیں۔" (الجزیرہ مباشر، 16 فروری 2017)

اور امریکہ کی طرف سے پہلی بار ٹرمپ کے منہ سے ایک ریاستی حل کا ذکر آیا، جسے اس نے واضح نہیں کیا کہ آیا اس کا مطلب فلسطینیوں کو ایک یہودی ریاست کے اندر خود مختاری دینا ہے یا ایک سیکولر ریاست جس میں فلسطینی بھی ریاست کے انتظام میں شریک ہوں، جیسا کہ برطانیہ نے 1939 میں ایک وائٹ پیپر کے ذریعے لبنان کے طرز پر پیش کیا تھا؟ یہ بات قابل غور ہے کہ دو ریاستی حل کا منصوبہ خود امریکہ کا اپنا منصوبہ ہے، جو 1959 میں صدر آیزن ہاور کے دور میں پیش کیا گیا تھا، اور عالمی برادری کو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا جبکہ برطانیہ کے پیش کردہ ایک ریاستی حل کو مسترد کر دیا گیا۔

چاہے جو کچھ بھی ہو، ان بیانات اور ان کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ نے دو ریاستی حل کے اپنے منصوبے کو ترک نہیں کیا، جیسا کہ امریکہ کی اقوام متحدہ میں سفیر نکی ہیلی نے تصدیق کی: "سب سے پہلے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم دو ریاستی حل کی حمایت کرتے ہیں۔ جو کوئی بھی کہے کہ امریکہ دو ریاستی حل کی حمایت نہیں کرتا وہ غلط کہے گا... ہم یقیناً دو ریاستی حل کی حمایت کرتے ہیں لیکن ہم 'باکس کے باہر' بھی سوچتے ہیں... یہ ضروری ہے تاکہ دونوں فریقوں کو مذاکرات کی میز پر لایا جا سکے اور ہم

چاہتے ہیں کہ وہ اتفاق کریں۔"(رائٹرز، 16 فروری 2017) یہ اس بات کی تصدیق ہے کہ ٹرمپ نے دو ریاستی حل کو ترک نہیں کیا، کیونکہ یہ امریکہ کی سرکاری پالیسی ہے جو 1959 سے چلی آ رہی ہے، بلکہ وہ دباؤ ڈالنے کا ایک اور طریقہ آزمانا چاہتا ہے... جیسا کہ ان کی سفیر نے کہا: "ہم یقیناً دو ریاستی حل کی حمایت کرتے ہیں، لیکن ہم 'باکس کے باہر' بھی سوچتے ہیں" یعنی دوسرے طریقے استعمال کرتے ہوئے۔

ب: ٹرمپ (ریپبلکن) کے دونوں ادوارِ صدارت میں یہودی ریاست کی حمایت کے حوالے سے ان کے بیانات میں تیزی آئی:

"امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے امریکہ کی جانب سے یروشلم (القدس) کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے کا اعلان کیا... "اور ساتھ ہی ٹرمپ نے یہ بھی کہا کہ امریکہ دو ریاستی حل کی حمایت کرتا ہے، بشرطیکہ اسرائیلی اور فلسطینی اس پر متفق ہوں۔ (بی بی سی، 6 دسمبر 2017)

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ٹرمپ نے کہا: "میرا ماننا ہے کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کے لیے بہترین حل دو ریاستی حل ہے،" اور مزید کہا: "میرا خواب ہے کہ اپنی پہلی مدتِ صدارت کے اختتام سے پہلے میں اسے عملی جامہ پہنا سکوں۔" (بی بی سی، 26 ستمبر 2018)

ٹرمپ نے کہا: "جب میں مشرقِ وسطیٰ کا نقشہ دیکھتا ہوں، تو مجھے اسرائیل ایک بہت ہی چھوٹا سا نقطہ نظر آتا ہے۔ حقیقت میں، میں نے کہا: کیا کوئی طریقہ ہے کہ اس کے لیے کچھ مزید رقبہ حاصل کیا جا سکے؟ یہ بہت ہی چھوٹا ہے..."(اسکائی نیوز، 19 اگست 2024)

اسی سال، 10 فروری 2025 کو، ٹرمپ نے دوبارہ زور دے کر کہا کہ امریکہ کی غزہ پر کنٹرول حاصل کرنے اور فلسطینیوں کو وہاں سے بے دخل کرنے کی منصوبہ بندی جاری ہے، اور کہا: "میں غزہ کو خریدنے اور اس کا مالک بننے کے لیے پُرعزم ہوں۔" (بی بی سی، 10 فروری 2025)۔ لیکن دس دن بعد، 21 فروری 2025 کو ٹرمپ نے ایک نیا بیان دیا: "میں فلسطینیوں کو غزہ سے نکالنے کا منصوبہ مسلط نہیں کر رہا بلکہ صرف تجویز دے رہا ہوں۔" (سی این این، 21 فروری 2025)۔ اور یہ الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں!

ج: دوسری طرف، بعض اوقات صدر بائیڈن (ڈیموکریٹ) کے بیانات، یہودی ریاست کی حمایت میں، ٹرمپ کے بیانات سے بھی آگے بڑھ گئے:

جب ٹرمپ کو انتخابات میں شکست ہوئی اور ان کی جگہ بائیڈن نے 2021 کے آغاز میں صدارت سنبھالی، تو امریکہ نے ایک بار پھر فلسطینی ریاست کے قیام کی بات چھیڑی، لیکن بغیر اس کے کہ یہ واضح کرے کہ وہ ریاست کیسی ہو گی اور کہاں ہو گی۔ چنانچہ امریکی صدر جو بائیڈن نے 3 ستمبر 2024 کو صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"دو ریاستی حل کے کئی ماڈل موجود ہیں، اور اقوامِ متحدہ کی بہت سی ایسی ریاستیں ہیں جن کے پاس اپنی مخصوص افواج نہیں ہیں" یعنی بائیڈن فلسطینیوں کے لیے ایک ایسی ریاست کی طرف اشارہ کر رہے تھے جس کے پاس کوئی مسلح افواج نہ ہوں، یعنی ایک طرح کا محدود خود اختیار انتظام یا اس سے ملتا جلتا کچھ!

صدر بائیڈن نے جب 18 اکتوبر 2023 کو تل ابیب کا دورہ کیا، جو "طوفان الاقصیٰ" کے آپریشن کے بعد ہوا تھا، تو اس نے وہاں اسرائیلی حکام سے ملاقات کے دوران کہا: "اسرائیل کو یہودیوں کے لیے ایک محفوظ جگہ بن کر رہنا چاہیے، اور اگر اسرائیل موجود نہ ہوتا تو ہم اسے وجود میں لانے کی کوشش کرتے۔" (الجزیرہ، 18 اکتوبر 2023)

اسی طرح بائیڈن نے 12 دسمبر 2023 کو وائٹ ہاؤس میں یہودی تہوار "حانوکا" کے موقع پر ایک خطاب میں کہا: "صہیونی ہونے کے لیے یہودی ہونا ضروری نہیں... میں خود ایک صہیونی ہوں!" (الشرق الاوسط، 12 دسمبر 2023)

7۔ پچھلے سوال کے جواب، اور ان تمام بیانات و پالیسی موقف پر غور و تدبر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ٹرمپ اور بائیڈن کے مواقف میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے، سوائے بعض طریقۂ کار میں معمولی فرق کے، جو کہ مسئلے کی اصل ماہیت کو ہرگز تبدیل نہیں کرتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ امریکہ ہی وہ طاقت ہے جو اس مسئلے کو دو ریاستی حل کی بنیاد پر چلا رہا ہے؛ ایک ریاست یہودیوں کے لیے، جو کہ فلسطین کے بیشتر حصے پر قائم ہے، جسے امریکہ مالی، عسکری، بین الاقوامی بلکہ اپنے ایجنٹ حکمرانوں اور پیروکاروں کے ذریعے علاقائی سطح پر بھی سپورٹ فراہم کرتا ہے، جو مسلم ممالک میں برسرِ اقتدار ہیں۔ اور دوسری طرف، ایک نام نہاد "ریاست"، یعنی ایک غیر مسلح "خود مختار انتظام"، جو فلسطینیوں کو فلسطین کے ایک حصے کے بھی ایک حصے میں دی جائے گی، اور اس پر بھی یہودی بالادستی قائم رہے گی! اگرچہ "فلسطینی اتھارٹی" اور "ایجنٹ حکمران" اسے "فلسطینی ریاست" کہنے کی خواہش رکھتے ہیں، لیکن یہ محض ایک لفظی لبادہ ہے، جو اس کی حقیقت کو تبدیل نہیں کرتا، کیونکہ امریکہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ یہ ریاست فلسطینیوں کے لیے کسی بھی درجے میں ایک خود مختار ریاست ہو، نہ ہی مکمل فلسطین میں، اور نہ ہی اس کے کسی حصے میں۔ بلکہ امریکہ صرف ایسی "ریاست" چاہتا ہے، جو عملاً ایک محدود خود انتظامی علاقہ ہو، غیر مسلح، جس میں محض پولیس کی سطح تک محدود سیکیورٹی فورس ہو، جو یہودی بالادستی کے تحت کام کرے۔

ٹرمپ اور بائیڈن، دونوں کے ادوار میں، دو ایسے عوامل نمایاں ہوئے جو یہودی وجود کو مستحکم کرنے کے لیے استعمال کیے گئے، اور ان عوامل نے اوپر بیان کردہ حقیقت کو مزید واضح کر دیا، اگرچہ ان کا ظہور ٹرمپ کے دور میں زیادہ نمایاں تھا۔ اور وہ دو عوامل یہ ہیں:

پہلا، جو آج بھی قائم ہے، یہودی وجود کو مضبوط کرنا اور اسے مال و اسباب سے لیس کرنا تاکہ وہ عسکری طور پر اپنے تمام پڑوسیوں پر غالب رہنے والی سب سے بڑی طاقت بنی رہے۔

اور دوسرا، نارملائزیشن، جسے ٹرمپ نے ابراہام معاہدے کا نام دیا، اور انہوں نے اپنی پہلی مدت میں اس میں آدھا راستہ طے کر لیا تھا اور آج اسے مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے امریکی ایلچی خطے کا دورہ کر رہے ہیں، نہ صرف سعودی عرب کو نام نہاد "ابراہام معاہدوں" میں شامل ہونے پر قائل کرنے کے لیے، بلکہ وہ عملی طور پر زمین ہموار کر رہے ہیں اور شام اور لبنان کے درمیان یہودی ریاست کے ساتھ مذاکرات شروع کر رہے ہیں جو آج بھی جاری ہیں، اور امریکہ اسے مسلم ممالک کے دیگر ایجنٹ حکمرانوں تک پھیلانا چاہتا ہے!

خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ نے دو ریاستی حل کو ترک نہیں کیا، لیکن اس نے ٹرمپ اور بائیڈن کے دور میں فلسطینی ریاست کا مطلب واضح کر دیا کہ یہ ایک خود مختار حکومت کی طرح ہے جس پر یہودیوں کی مکمل بالادستی ہو گی... جبکہ سابقہ صدور نے دو ریاستی حل کا ذکر کیا بغیر اس بات کی وضاحت کے کہ وہ فلسطینیوں کے لیے کیسی ریاست چاہتے ہیں!

8۔ آخر میں "فلسطین" مسلمانوں کی تاریخ میں ایک دُرِّ نایاب ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنے حرمت والے گھر کے ساتھ ایک مقدس ربط میں جوڑ دیا، جب اس نے اپنے رسول ﷺ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی۔ چنانچہ فرمایا:
﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾
"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، جس کے گرد و نواح کو ہم نے برکت دی ہے"[سورۃ الاسراء، آیت 1]۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فلسطین کو ایک پاکیزہ اور بابرکت سرزمین قرار دیا۔ اس طرح، اللہ نے مسلمانوں کے دلوں کو فلسطین کے مرکز —بیت المقدس— سے جوڑ دیا، جب اس نے اسے مسلمانوں کی پہلی قبلہ گاہ بنایا، اس سے قبل کہ اللہ تعالیٰ ہجرت کے بعد سولہ ماہ کے عرصے میں مسلمانوں کو کعبہ کی طرف متوجہ کرے اور اسے ان کی دوسری قبلہ گاہ بنائے۔

یہ سب اس وقت ہوا جب فلسطین ابھی اسلام کے زیرِ تسلط نہیں آیا تھا، پھر دوسرے خلیفہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسے 15 ہجری میں فتح کیا، اور سوفرونیوس سے بیت المقدس کا قبضہ حاصل کیا، اور اسے اپنا مشہور عہد (عہد عمریہ) دیا، جس کی ایک شق، عیسائیوں کی درخواست پر، یہ تھی کہ "ان کے ساتھ کوئی یہودی وہاں سکونت اختیار نہیں کرے گا"۔ پھر فلسطین صلیبیوں اور

تاتاریوں کا قبرستان بنا... اس میں صلیبیوں اور تاتاریوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکے ہوئے: حطین (583ھ - 1187ء)، اور عین جالوت (658ھ–1260ء)، اور ان شاء اللہ، اسی سرزمین پر یہودیوں کے خلاف بھی ایک فیصلہ کن معرکہ برپا ہو گا، تاکہ فلسطین ایک بار پھر مکمل، پاک، خالص انداز میں اسلامی سرزمین بن کر لوٹے۔

یہ حقیقت ہے کہ آج تک "یہودی ریاست" کا فلسطین میں قائم رہنا ان کی کسی اندرونی طاقت یا بہادری کی وجہ سے نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ جنگ اور فتح والے لوگ نہیں ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ﴾ "وہ تمہیں صرف اذیت ہی پہنچا سکتے ہیں، اور اگر تم سے لڑیں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی"[سورۃ آل عمران، آیت 111]**

بلکہ ان کے باقی رہنے کی اصل وجہ مسلم حکمرانوں کی مجرمانہ غفلت اور خیانت ہے۔ مسلمانوں کی اصل مصیبت ان کے یہ حکمران ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن استعماری کفار کے وفادار بنے ہوئے ہیں۔ یہ فلسطین پر یہودیوں کے قبضے اور ان کی وحشیانہ جرائم و قتلِ عام کو دیکھتے اور سنتے ہیں، لیکن ان کا حال کچھ یوں ہے کہ **﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ "وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ پلٹنے والے نہیں"[سورۃ البقرۃ، آیت 18]**

ان حکمرانوں نے آج تک مسلمانوں کی افواج کو غزہ ہاشم میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے سے روکا ہوا ہے، جبکہ شہداء کی تعداد بڑھ رہی ہے، زخمیوں کی صفیں طویل تر ہو رہی ہیں، اور یہ حکمران محض تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے "بہترین" وہ گردانا جاتا ہے جو شہداء کی گنتی کرتا ہے، وہ بھی ان کا نام "ہلاک شدگان" رکھ کر، اور زخمیوں کی فہرست گنواتا ہے، گویا کہ وہ کوئی غیر جانبدار فریق ہے، جبکہ حقیقت میں وہ یہودیوں کے زیادہ قریب ہے! ان کے لیے "کرسی" ان کے ملک و قوم سے زیادہ اہم ہے! مگر یہ امت، جسے اللہ نے فرمایا: **﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی"[سورۃ آل عمران، آیت 110]**۔ ان شاء اللہ، یہ امت زیادہ دیر تک ان رویبضہ حکمرانوں کی اس جابرانہ حکومت پر زیادہ دیر خاموش نہیں رہے گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بشارت دی ہے کہ یہ جبر کا دور ختم ہو گا اور خلافتِ راشدہ کا قیام دوبارہ ہو گا، جیسا کہ مسند احمد اور مسند الطیالسی میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے: **«... ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ» "...پھر جبر کی حکومت ہو گی، وہ جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گی، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی۔"** تب مسلمان غالب ہوں گے اور کفار ذلیل ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ**

يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن مومن خوش ہوں گے، اللہ کی مدد کے باعث، وہ جسے چاہے مدد دیتا ہے، اور وہ زبردست ہے، مہربان ہے"[سورۃ الروم، آیت 4-5]

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ کفار، خاص طور پر یہودی، اس حقیقت کو آج کے بہت سے مسلمانوں سے زیادہ سمجھتے ہیں! چنانچہ یہودی جانتے ہیں کہ خلافت ان کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے، جیسا کہ ان کے وزیرِ اعظم نے 21 اپریل 2025 کو ایک پریس کانفرنس میں، جسے کئی میڈیا اداروں بشمول الجزیرہ نے براہِ راست نشر کیا، کہا: "ہم بحیرہ روم کے ساحل پر خلافت کے قیام کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔" اور مزید کہا: "ہم یہاں یا لبنان میں خلافتی ریاست کے وجود کو قبول نہیں کریں گے، اور ہم اسرائیل کی سلامتی کے تحفظ کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

لیکن یہ خلافت ان شاء اللہ ضرور قائم ہو گی، ان کی ناک کے نیچے، ان کی مرضی کے خلاف، اور انہیں اس پاک سرزمین سے ہمیشہ کے لیے مٹا کر چھوڑے گی۔ خاص طور پر اس وقت، جبکہ "حزب التحریر"، جو کہ اللہ کے لیے مخلص، رسول ﷺ کے ساتھ سچی اور دینِ اسلام کے ساتھ وفادار جماعت ہے، خلافت کے قیام کے لیے انتھک محنت کر رہی ہے، اور اس میں ایسے مردانِ حق موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے گئے وعدے کو سچ کر دکھایا اور وہ اللہ کی مدد پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

﴿وَاللهُ غَالِبٌ عَلَى أَمرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

"اللہ اپنے کام پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"[سورۃ یوسف، آیت 21]

10 ربیع الاوّل 1447ھ

2 ستمبر 2025ء

#أمير_حزب_التحرير

فہرست

یہود اپنی قبریں اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں، اور عرب و مسلم حکمران ان کی تدفین سے امت کو روکے بیٹھے ہیں

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس اس

یہودی وجود کی بمباری اور گولہ باری کی گھن گرج کے بیچ، جب ہمارے اہلِ غزہ پر آگ برسائی جا رہی ہے، رہائشی عمارتیں، جامعات، اور مساجد ملبے کا ڈھیر بن چکی ہیں، حتیٰ کہ خیموں تک کو زمین بوس کر دیا گیا ہے، جب بچوں کی ہڈیاں اور گوشت کے لوتھڑے ملبے میں مدغم ہو چکے ہیں، تو ایسے وقت میں عرب و عجم کے "رويبضه" حکمرانوں کی "قمة العار والشنار"، یعنی شرم و رسوائی کی کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچی۔

دوحہ میں منعقد کی گئی اس کانفرنس کو "اسلامی اور عرب ہنگامی سربراہی کانفرنس" کا نام دیا گیا۔ اس نام نہاد کانفرنس سے سوائے رسمی مذمت اور روایتی افسوس کے چند بے جان الفاظ کے کچھ برآمد نہیں ہوا اور ان "رویبضہ" حکمرانوں سے اس سے زیادہ کسی اور چیز کی توقع بھی نہیں تھی۔ ستم بالائے ستم کہ یہ "مذمت" بھی غزہ اور دوحہ میں شہید ہونے والوں کے لیے نہیں تھی، بلکہ اس مبیّنہ حملے کے خلاف تھی جو 'دوحہ کی سلطنت' کی خود ساختہ خود مختاری پر کیا گیا!

غزہ میں شہداء کی تعداد دسیوں ہزاروں سے تجاوز کر چکی ہے، لیکن یہ بے حس حکمران اُن کے لیے مذمت کا ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکے۔ اس کے برخلاف، انہوں نے باقاعدہ ایک بیان جاری کیا جس میں "دوحہ کی سلطنت کی خود مختاری" پر یہودی وجود کی جارحیت کی مذمت کی گئی، جبکہ اُن کا اختتامی اعلامیہ اسی بزدلانہ پالیسی کا تسلسل تھا جس پر یہ اُس دن سے کاربند ہیں جب وہ امتِ مسلمہ، جو دنیا کی بہترین امت ہے، کی گردنوں پر مسلط کیے گئے تھے۔

امریکی ایجنٹوں پر مشتمل اس مذموم تماشے میں شریک حکمرانوں نے موقع غنیمت جان کر امت مسلمہ کے خلاف اپنی دشمنی کی تجدید بھی کی۔ چنانچہ مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی نے پاکستانی وزیرِ اعظم شہباز شریف سے ملاقات کی، اور مصری صدارتی ترجمان محمد الشناوی کے مطابق، السیسی نے اس ملاقات کا آغاز پاکستان میں حالیہ سیلابی تباہی اور 13 ستمبر کو ہونے والی دہشت گردی پر تعزیت سے کیا۔ اس موقع پر اُس نے دہشت گردی اور انتہا پسندی اور امن و استحکام کو خطرے میں ڈالنے والے تمام رجحانات کے خلاف مصر کے غیر متزلزل مؤقف کو دہرایا۔

دوسری جانب، شہباز شریف نے علاقائی استحکام کے لیے مصر کے "فعال کردار" کو سراہا، اور غزہ میں جنگ بندی، شہریوں کی مشکلات کو کم کرنے کی کوششوں، اور ایران اور بین الاقوامی ایٹمی ایجنسی کے درمیان تعاون بحال کرنے کے معاہدے کو آسان بنانے کے لیے مصر کے کردار کو قابلِ تحسین قرار دیا۔

فلسطین کی مقدس سرزمین میں درپیش حالات پر امت کا خون ابل رہا ہے، امت کے دل غزہ اور فلسطین کے مظلوموں کے غم میں جھلس رہے ہیں، امت صف آراء ہے کہ وہ یہود سے جنگ کرے، اور وہ یہود جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا، دو ارب کی امت کو پکار پکار کر گویا یہ کہہ رہے ہیں: "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم ہمیں اُن قبروں میں دفنانے کے لیے کیوں نہیں آتے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے کھود رکھی ہیں؟!" ایسے وقت میں یہ "رویبضہ" حکمران اکھٹے ہوئے ہیں، جو ایسی عظیم امت پر حکمرانی کر رہے ہیں کہ اگر یہ امت پہاڑوں کو اکھاڑنے پر آئے تو اُنہیں مٹی میں ملا دے، پھر بھلا یہودی وجود کیا حیثیت رکھتا ہے؟ جو اُن ممالک میں سے سب سے چھوٹے ملک کے سامنے بھی ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتا!

اس معمّے کی گتھی اب، قریب اور دور کے ہر شخص پر آشکار ہو چکی ہے کہ یہ افراد امتِ مسلمہ کے اصل نمائندے نہیں، بلکہ مغرب کے نوکر، استعمار کے وفادار غلام اور یہودی وجود کے حمایتی ہیں۔ ان میں سے کئی تو درپردہ یہود ہی ہیں۔ ان کی اصل ذمہ داری مغرب کے مفادات کی نگہبانی ہے، اور اسلام کے قلب میں قائم اس یہودی ناسور، اس مغربی فوجی اڈے کی بقاء کی ضمانت دینا ہے۔ یہی وہ خائن حکمران ہیں جو امتِ واحدہ کو متحد ہونے سے روکتے ہیں، اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کی راہ میں دیوار بنے ہوئے ہیں۔

مسلم ممالک میں موجود ان غداروں اور مغربی اثر ورسوخ کو نکال باہر پھینکنا اب پہلے سے بھی زیادہ ضروری اور ہنگامی صورت اختیار کر چکا ہے اور یہ ذمہ داری خصوصاً اہلِ قوت، یعنی امت کی افواج، پر عائد ہوتی ہے ان میں سب سے اہم ذمہ داری پاکستان کی مجاہد مسلمان فوج کی ہے۔ پاکستانی فوج کے مخلص افسران پر لازم ہے کہ وہ حزب التحریر کو نصرۃ فراہم کریں، کیونکہ یہی وہ واحد عمل ہے جو ان کے ضمیر کو صاف کرے گا، اور جس سے وہ ان کے بزدل حکمرانوں کی وجہ سے اپنے چہروں پر لگے داغ دھو سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا، تو وہ آخرت سے پہلے دنیا میں ہی شرمندگی اور ذلت میں غرق ہو جائیں گے۔ تو وہ کب حزب التحریر کو نصرۃ فراہم کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کریں گے، تاکہ وہ خلافت قائم کرے، اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی کرے، افواج تیار کرے اور انہیں لے کر مقدس فلسطین کو آزاد کرے، یتیم ماؤں، بچوں اور بزرگوں کا بدلہ لے، اور اس قابض یہودی وجود کو ان قبروں میں دفن کرے جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کھودیں ہیں؟

یقیناً یہ شرف اُنہی کو زیب دیتا ہے جو اس کے اہل ہوں۔ تو اے اہلِ قوت، کون ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرۃ کا حقدار بنے، اور دائمی جنتوں کا وارث ٹھہرے؟!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ "اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے قریب ہیں، اور وہ تم میں سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔" (سورۃ التوبۃ: آیت 123)

فہرست

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت وجہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ ٔراشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)۔